تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مکہ کا مہاجر پھر مکہ واپس آتا ہے

مہینوں کی تپش و تابش، لو اور لپٹ، تڑاقے اور جلاپے کے بعد جب برسات کی ہوائیں چلتی ہیں، تو کالے کالے بادل امنڈ امنڈ کر آتے ہیں، اور جل تھل بھر جاتے ہیں، سالہا سال کی سختیوں اور آزمائشوں، امتحانات ابتلاآت کے بعد جب مشیت مطلقہ کو، اس مشیت کو جس کے اوپر کوئی مشیت نہیں، منظور ہوا کہ مردہ میں جان پڑ جائے اور سوکھی ہوئی کھیتی لہلہانے لگے، تو نیتوں کے رخ پلٹ دیئے، اور دلوں کی اقلیم میں انقلاب برپا کر دیا۔ جو گردنیں اکڑی ہوئی تھیں وہ جھکیں، اور جو زبانیں انکار پر اڑی ہوئی تھیں، وہ اقرار کا کلمہ پڑھنے لگیں۔ جو قلوب اپنی سختی و شقاوت میں پتھر کو شرما رہے تھے، وہ پانی ہو ہو گئے۔ اور جو جہنم کے شعلوں کے لئے تیار ہو رہے تھے، وہ جنت کے ٹکٹ کی خریداری کو لپک لپک کر بڑھے۔ مکہ کی سرزمین جو توحید کے منادی کرنے والے پر تنگ ہو چکی تھی، اب اسی بے بس و بے کس یتیم کے جاہ و جلال، فتح و اقبال کے سامنے اپنی ساری وسعتوں اور پہنائیوں کے ساتھ پیش ہوئی، اور خانۂ کعبہ کا دروازہ اسی ہجرت کرنے والے پردیسی کے ہاتھوں، نہیں بلکہ اس کے خادموں اور خدمت گزاروں کے ہاتھوں، کھل کر رہا۔ جس اللہ کا نام زبان پر لانا منع تھا، اب اسی کی بڑائی کی پکار عرب کے گوشہ گوشہ میں گونجی، اور اس کے جس بندہ کو مکہ نے حقیر جانا اور طائف نے جس پر تمسخر کیا تھا، اس کی سچائی اور عظمت کی شہادت دینے پر اب مکہ و طائف، نجد و حجاز، یمن و عمان، دشت و جبل کے پیر و جوان، زن و مرد، غول کے غول، خیل کے خیل، جھپٹ جھپٹ کر آگے بڑھنے لگے، جس مجبور و بے کس کو، اپنا عزیز و محبوب وطن، بالفاظ گبن، راتوں رات، صرف ایک رفیق طریق کی معیت میں چھوڑنا پڑا تھا، وہ اس شہر میں جس کے در و دیوار تک اس کی عداوت کا عہد کر چکے تھے، اس کے آٹھویں ہی برس، اس شان سے داخل ہوا کہ دس ہزار آہن پوش جاں باز اس کے جلو میں تھے، اور کوکبۂ نبوی کا منظر اس جاہ و جلال کا تھا کہ بڑے سے بڑے دشمنِ اسلام کی آنکھیں خیرہ ہو ہو کر رہ گئیں۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ـــــ ماخوذ از: ذکر رسولؐ

۲۵ اپریل ۱۹۹۹ء | سالانہ ۱۳۰ روپئے | فی شمارہ ۶ روپئے

Regd No. LW/NP56
Fax No.: (0522)330020

FORTNIGHTLY

Principal off : 372336
Guest House : 323864

TAMEER-E-HAYAT

NADWATUL-ULAMA, LUCKNOW-226 007 (India)

Rs 6

آپ کی خدمت میں جدید و دلکش

سونے چاندی کے زیورات کیلئے

ہمارا نیا شوروم

گہنہ پیلس

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم خاں محمد معروف خاں

ایک مینارہ مسجد کے سامنے اکبری گیٹ چوک لکھنؤ

فون نمبر ۲۶۰۴۳۳

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ خوشبودار عطریات، عمدہ و اعلیٰ قسم کے روغنیات و عرق کیوڑہ، عرق گلاب و دیگر عطریات کی ـــــ

ایک قابل اعتماد دوکان۔ ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

IZHAR AHMAD & SONS
Perfumers
CHOWK, LUCKNOW-3

SHOP. 255257
RES. 268898

خط و کتابت کا پتہ

اظہار احمد اینڈ سنس پرفیومرس، چوک لکھنؤ

چشمہ ساگر

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ ہوتی ہے۔

AUTO REFRCCTO METER AR.8 60

فوٹوکرامک، کوٹیڈ لینس، ہائی انڈیکس ریزی لینس، فینس بادر و دھوپ کے چشموں کا خاص مقام۔

ـــــ ایک بار خدمت کا موقع دیں ـــــ

آپٹیشین۔ اے۔ رحمٰن (علیگ)

شنکر جی کی مورتی کے نزدیک، معتبر گنج۔ اعظم گڑھ

کیپ کے اوپر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیئے

منو کا بنا

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ کٹنے جلنے کی مشہور دوا

انڈین کیمیکل کمپنی، مئو ناتھ بھنجن (یوپی)

تعمیر حیات میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ — لکھنؤ

مجلس صحافت ونشریات دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۳۶ | ۲۵ اپریل ۱۹۹۹ء - مطابق - ۸ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ | شمارہ نمبر ۱۲

زیر نگرانی :-
مولانا قاضی مجتبیٰ اللہ صاحب ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء)
مولانا ڈاکٹر سید عبداللہ عباس صاحب ندوی (معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء)
مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء)
پروفیسر وصی احمد صدیقی صاحب (معتمد مالیات ندوۃ العلماء)

مدیر مسئول :-
شمس الحق ندوی

مجلس ادارت :-
مولانا نذر الحفیظ ندوی، مولانا محمد خالد ندوی
مولانا عبداللہ حسنی ندوی، ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

زرِ تعاون

سالانہ ——— ۱۳۰ روپے
فی شمارہ ——— ۶ روپے

بیرونی ممالک فضائی ڈاک :-
ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک
——— ۳۰ ڈالر

بیرونی ممالک بحری ڈاک :-
بحری ڈاک جملہ ——— ۱۵ ڈالر

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ ۱۳۰ روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

گذارش

خط وکتابت اور منی آرڈر کرتے وقت کوپن (بیغام سلپ) پر خریداری نمبر کیساتھ مکمل نام وپتہ ضرور لکھیں، خریداری نمبر ہر پتہ کی سلپ پر لکھا رہتا ہے اگر آپ جدید خریدار ہیں تو اس کی صراحت ضرور کریں اس سے دفتری کارروائی میں آسانی اور جلدی ہوتی ہے۔ ——— منیجر

خط وکتابت کا پتہ

منیجر تعمیرِ حیات پوسٹ بکس ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 یوپی

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

پرنٹر پبلشر شاہد حسین نے پاریکھ آفسٹ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا

درس حدیث

تعلیم وتربیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدارات

تحریر :- شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ ——— ترجمہ :- شمس الحق ندوی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے اوقات اور حالات کی رعایت فرماتے ہوئے ان کو وعظ فرماتے اور دینی باتیں سکھاتے تھے تاکہ اکتاہٹ نہ پیدا ہو جائے، اسی کے ساتھ مدارات کا بھی اختیار فرماتے تھے، وعظ کو بہت لمبا نہ فرماتے تھے کہ لوگ سنتے سنتے اکتا جائیں اور آپ کی باتوں کو بے دلی کے ساتھ سنیں بلکہ ابھی ان کے اندر شوق وطلب باقی ہی رہتا تھا کہ وعظ ختم فرما دیتے تھے۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "صحیح بخاری" کے کتاب العلم میں اس باب کے تحت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے تاکہ ان میں بے دلی نہ پیدا ہو جائے، اور امام مسلم نے اپنی "صحیح مسلم" باب الاقتصاد فی الموعظۃ میں ذکر کیا ہے یہاں مسلم ہی کے الفاظ کا ترجمہ ہو رہا ہے وہ اعمش سے روایت کرتے ہیں اور انھوں نے شقیق ابووائل سے روایت کیا ہے فرمایا "ہم لوگ عبداللہ بن مسعود کے دروازہ پر بیٹھے ان کا انتظار کر رہے تھے، اس درمیان یزید بن معاویہ نخعی کا ہمارے پاس سے گذر ہوا ہم نے ان سے کہا آپ عبداللہ بن مسعودؓ کو ہمارے یہاں انتظار کرنے کی اطلاع کر دیجئے، وہ ان کے پاس گئے، اطلاع ملتے ہی عبداللہ بن مسعودؓ ہمارے پاس آگئے، اور فرمایا مجھے آپ لوگوں کے آنے کی اطلاع ملی اور نکلنے میں تاخیر کر دی تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ میں آپ لوگوں کو اکتاہٹ میں ڈالوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ناغہ دے کر وعظ فرماتے تھے کہ ہم اکتاہٹ نہ محسوس کریں۔

بخاریؒ نے کتاب العلم میں "جس نے اہل علم کے لئے متعین دن طے کر دیئے ہوں اس کے تحت باب میں" اور امام مسلم نے اپنی "صحیح مسلم" باب الاقتصاد فی الموعظۃ" کے تحت" الفاظ دونوں ہی کے ہیں :- منصور کے حوالہ سے کہ انھوں نے شقیق ابووائل سے روایت کیا ہے کہ "عبداللہ بن مسعود ہم کو ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے، ان سے ایک شخص نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن۔ یہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی کنیت تھی۔ ہم کو آپ کی باتیں پسند آتی ہیں اور ہمیں ان کا شوق رہتا ہے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم کو ہر روز نصیحت فرمایا کریں۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ روزبات کرنے سے اس کے سوا کوئی اور مانع نہیں کہ تم اکتا جاؤ گے، میں ناغہ دے دے کر تم کو وعظ کہتا ہوں جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

ایسے ہی بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے ایک اور روایت بیان کی ہے، بخاریؒ نے کتاب العلم میں "حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناغہ دے کر وعظ کہنے کے باب میں کہ لوگوں میں بے دلی نہ پیدا ہو" اور مسلم نے کتاب الجہاد میں یہ روایت حضرت انسؓ بن مالک کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آسانی کرو سختی نہ کرو خوشخبری سناؤ نفرت نہ پیدا کرو" امام نوویؒ نے مسلم شریف میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نیکیوں پر اللہ تعالیٰ کے فضل وعطا، جود وسخا اور جنت کی نعمتوں کے ملنے کی خوشخبری۔ اس کے ساتھ مناسب مقدار میں برے اعمال پر وعید اتنی سناؤ جس سے مایوسی نہ پیدا ہو بلکہ رجا اور خوف کی ملی جلی کیفیت رہے تو یہ مفید ہوگا۔

امام مسلمؒ نے ایک روایت ابوموسیٰ اشعری سے نقل کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ میں کسی کو بعض موقعوں پر بھیجتے تھے تو فرماتے تھے خوشی اور اجر وثواب کی باتیں سناؤ، نفرت اور دوری پیدا کرنے والی باتیں نہ سناؤ، نرم وخوش خلقی کا رویہ اپناؤ، اور آسانی کی باتیں بتاؤ، دشواری اور مشکل کی باتیں نہ سناؤ۔

نعت رسولؐ

حفیظ محمود۔ آگرہ

گلاب اور نہ چمبیلی کے پھول لائے ہیں
وہ خوشبوئیں جو خدا کے رسولؐ لائے ہیں

مثال جن کی کبھی تھی نہ ہے نہ ہوگی کبھی
ہمارے واسطے ایسے اصول لائے ہیں

نبیؐ نے ان کو بھی اخلاق کے گلاب دیئے
جو ظلم اور جفا کے ببول لائے ہیں

جو دل میں آپؐ کی محبوبیت نہیں رکھتے
وہ زندگی ہی جہاں میں فضول لائے ہیں

ہے فیض ان کا کہ ارض وسما سے بھی اچھا
نصیب اپنا ظلوم وجہول لائے ہیں

حفیظؔ ہونٹوں سے چومو لگاؤ آنکھوں میں
مسافرانِ مدینہ جو دھول لائے ہیں

اِس شمارے میں

۱	درس حدیث	شیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ	۲
۲	سبب کچھ اور ہے (اداریہ)	شمس الحق ندوی	۵
۳	اصلاح و استفادہ	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	۷
۴	ہم الزام ان کو دیتے تھے	مولانا سید واضح رشید ندوی	۱۲
۵	مدارس کے نام پیغام	مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ	۱۴
۶	احسن القصص	مولانا عبدالکریم پاریکھ	۱۶
۷	مولانا نذیر پانیپوریؒ	مولانا عبدالقادر ندوی	۲۱
۸	امت اسلامیہ کی خصوصیت	مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی	۲۴
۹	حیات سجاد	مبصر کے قلم سے	۲۷
۱۰	مطالعہ کی میز پر	مولانا عتیق احمد بستوی	۲۸
۱۱	سوال و جواب	مطیع الرحمٰن عوف ندوی	۲۹
۱۲	عالمی خبریں	معید اشرف ندوی	۳۰
۱۳	مسلمانوں کی فلاح	مولانا اشرف علی تھانوی	۳۱

شرائط ایجنسی

۱۔ پانچ کاپی سے کم کی ایجنسی جاری نہیں کی جاتی۔
۲۔ فی کاپی =/Rs. 15 کے حساب سے زر ضمانت روانہ کرنا ضروری ہے۔
۳۔ کمیشن جوابی خط سے معلوم کریں۔

نرخِ اشتہار

۱۔ تعمیر حیات کالم فی سینٹی میٹر اندرونی صفحہ =/Rs. 30
۲۔ تعمیر حیات کالم فی سینٹی میٹر پشت پر رنگین صفحہ =/Rs. 40
۳۔ کمیشن تعداد اشاعت کے مطابق ہوگا جو آرڈر دینے پر متعین ہوگا۔
۴۔ اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے۔

بیرون ملک نمائندے

مدینہ منورہ	Mr. TARIQUE HASAN ASKARI Sb. P.O. Box No. 842, Madina Munawwara (K.S.A.)
برطانیہ	Mr. M. AKRAM NADWI O.C.I.S., St. Cross College, Oxford Ox1 3TU-U.K.
ساؤتھ افریقہ	Mr. M. YAHYA SALLO NADWI Sb. P.O. Box 388, Vereninging, (S. Africa)
قطر	Mr. ABDUL HAI NADWI Sb. P.O. Box No. 10894, DOHA-QATAR
دبئی	Mr. QARI ABDUL HAMEED NADWI Sb. P.O. Box No. 12525, DUBAI (U.A.E.)
پاکستان	Mr. ATAULLAH Sb. Sector A-50, Near sau Quater H. No. 109, Town Ship Kaurangi, KARACHI-31 (Pakistan)
امریکہ	Dr. A. M. SIDDQUI Sb. 98-Conklin Ave, Woodmere NEW YORK 11598 (U.S.A.)

شمس الحق ندوی

سبب کچھ اور ہے جس کو تو خود سمجھتا ہے

اس وقت عالم اسلام میں مختلف دینی و دعوتی تحریکیں، ادارے اور جماعتیں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سرگرم عمل ہیں، اسلامی علوم و فنون اور دعوتی موضوع پر رسائل و اخبارات اور کتابوں کا ایک سیلاب امڈ رہا ہے۔ مختلف منصوبوں کے تحت کثرت سے کانفرنسیں اور سیمینار بھی ہو رہے ہیں۔ مگر اس کے جو نتائج سامنے آنے چاہئیں اور ان سے امت مسلمہ کے اندر جو حرکت و نشاط پیدا ہونا چاہئے وہ نہیں پیدا ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟

ظاہری اسباب و وسائل کی کمی نہیں ہے، نہ مال و دولت کی کمی ہے اس لئے کہ عالم اسلام کے بعض ممالک خوش حالی کی اس منزل میں ہیں جہاں بڑی صنعتی ترقی کے بعد پہونچا جاتا ہے، اس امت کے افراد کمزور و ناتواں بھی نہیں ہیں ان میں قوتِ مقاومت اور سپاہیانہ صفات بھی موجود ہیں قربانی کا جذبہ بھی ہے جس کا مظاہرہ ہوتا رہتا ہے عددی و نفری حیثیت سے بھی وہ کچھ کم نہیں ہیں۔ علم و ثقافت کے میدان میں بھی بعض ملکوں میں ترقی ہوئی ہے۔

ہم غور کریں اور جائزہ لیں تو ان میں سے کسی چیز کی کمی نہ نظر آئے گی، پھر کیا کمی ہے جس کی وجہ سے یہ سارے وسائل خاطر خواہ فائدہ نہیں پہونچا رہے ہیں۔

جہاں تک دشمن کی سازشوں اور معاندانہ کارروائیوں، اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی کا تعلق ہے تو وہ بھی کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو ہر دور میں اس طرح کی مشکلات بلکہ اس سے سخت محاذ آرائی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور اس سے زیادہ مشکلات و شدائد اور آزمائشوں سے گذرنا پڑا ہے۔ اسلام کے راستہ میں اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کے راستہ میں ہمیشہ کانٹے بچھائے گئے ہیں اور خون کے دریا سے گذرنا پڑا ہے۔ لیکن وسائل کی کمی، طاقت اور عدد کی کمی کے باوجود کس طرح گذشتہ عہد کے مسلمان حالات پر غالب آئے اور اس عہد کے مسلمان مجبور ہیں؟

اگر ہم بے لاگ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ کمی اس یقین و ایمان میں آگئی ہے جو ان تمام مذکورہ چیزوں کو مفید و کارآمد بنانے کی طاقت بخشتا ہے، ایمان و یقین اور توکل و اعتماد علی اللہ ہی وہ جوہر اصلی ہے جس نے امت مسلمہ کو عروج بخشا تھا اور جب وہ بہت تھوڑے تھے انگلیوں پر گنے جاتے تھے اور ان پر خطرات کے بادل چھائے ہوئے تھے اتنے کہ اس کی صحیح و سچی تصویر کشی قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے۔ "كُنْتُمْ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ"

مگر وہ ایمان کے پکے اور اخلاق و کردار کے بلند مقام پر تھے وہ فرشتہ صفت جہاں کہیں جاتے اپنی انھیں صفات سے جانے پہچانے جاتے، یہ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار ہی ان کا مقدمۃ الجیش ہوتے تھے جس سے وہ دلوں کو جیت لیتے تھے، شمشیر و سناں اور تیر و کمان کو استعمال کرنے سے قبل ان کی نگاہ مومنانہ ان کے دلوں کے پار ہو جاتی تھی مسلمانوں کی اس طاقت کو اس عہد کے لوگوں اور ان کے دشمنوں نے سمجھ لیا تھا، ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ جب ہرقل کو شام پر مسلمانوں کی لشکر کشی کا علم ہوا تو اس نے اہل شام سے کہا یہ لوگ ایک نئے دین کے پیرو ہیں کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، تم میری بات مانو اور ان سے شام کے نصف خراج پر صلح کر لو تو روم کے پہاڑ تمہارے قبضہ میں رہیں گے اگر تم نہ مانو گے تو وہ تم سے شام بھی لیں گے اور روم کے پہاڑ پر بھی دباؤ ڈالیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ نہاوند میں عراق پر فوج کشی کے وقت جب حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا، امیر المومنینؓ اس دین

کی نصرت وعدم نصرت تعداد کی کمی زیادتی کی بنیاد پر نہیں ہے، یہ اللہ کا وہ دین ہے جس کو اس نے غالب فرمایا ہے یہ اسی کا لشکر ہے جس کو اس نے غالب فرمایا اور فرشتوں کے ذریعہ اس کی مدد فرمائی ہے حتیٰ کہ وہ اس شان کو پہونچا، ہم سے اللہ کا وعدہ ہے وہ اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا۔

اسی اعتماد و یقین کی بنیاد پر وہ اپنے کو خطرہ میں ڈالتے تھے، اور حیرت انگیز کارنامے انجام دیتے تھے اور ان سے خرق عادت واقعات وجود میں آتے تھے، خدا پر اعتماد و بھروسہ ہی کی طاقت پر انھوں نے دجلہ میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے تھے اور اطمینان کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس طرح پار ہو گئے تھے کہ جیسے خشکی پر چل رہے ہوں۔ اس عقیدہ اور اعتماد نے ان کے اندر اطمینان اور دل میں سکینہ کی کیفیت پیدا کر دی تھی، اور وہ خارق عادت، شجاعت بہادری کے مالک بن گئے تھے اور تعداد اور تیاری کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے، ان پر یہ عقدہ کھل گیا تھا کہ وہ دین کی طاقت سے لڑتے ہیں، غلبہ و کامیابی اسلام کی برکت سے حاصل ہوتی ہے، لہٰذا وہ اس کی پوری حفاظت کرتے تھے اور مکمل دینی تیاری کرتے تھے۔

احمد بن مروان مالکی کا بیان ہے کہ جنگ شروع ہو جانے کے بعد صحابۂ کرام کے سامنے دشمن اتنی دیر بھی نہ ٹکتا تھا جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ نکالا جائے انطاکیہ میں جب ہرقل کا شکست خوردہ لشکر آیا تو اس نے ان سے کہا تم مسلمانوں کے بارے میں بتاؤ کیا یہ انسان نہیں ہیں؟ اہل لشکر نے جواب دیا، ہاں وہ انسان ہیں، تو اس نے پوچھا وہ زیادہ ہیں کہ تم، تو انھوں نے کہا کہ ہم ہر اعتبار سے ان سے کئی گنا بڑھے ہوئے ہیں، اس نے پھر کہا کیا بات ہے کہ تم شکست کھا جاتے ہو، تو ان کے سرداروں میں سے ایک معمر شخص نے کہا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ رات میں نمازیں پڑھتے ہیں اور دن میں روزے رکھتے ہیں جو وعدہ کرتے ہیں اس کو پورا کرتے ہیں، نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں، عدل و انصاف کا معاملہ کرتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، عہد کو توڑتے ہیں، غصہ ہوتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، خدا کو ناراض کرنے والی باتوں کا حکم دیتے ہیں، جو باتیں خدا کو خوش کرنے والی ہیں ان سے روکتے ہیں اور زمین میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ یہ ساری تفصیل سن کر ہرقل نے کہا تم ٹھیک کہتے ہو، اسی ہرقل نے ایک ایسے شخص سے جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گیا تھا، مسلمانوں کے حالات پوچھے تو اس نے کہا ان کے حالات کا ایسا نقشہ کھینچوں گا کہ جیسے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، سنو!

وہ دن کو شہسوار اور رات کو عبادت گذار ہوتے ہیں، بغیر قیمت دیئے کسی کی کوئی چیز نہیں کھاتے، جہاں پہونچتے ہیں پہلے سلام کرتے ہیں، جس سے جنگ کرتے ہیں ایسا جم کر لڑتے ہیں کہ اس کا قلع قمع کر دیتے ہیں، یہ صفات سن کر ہرقل نے کہا اگر تم سچ کہتے ہو تو وہ یقیناً ہمارے تخت و تاج کے مالک بن جائیں گے۔

آج مسلمانوں کی ناکامی کا سبب اسباب و وسائل کی کمی نہیں اس کا سبب ان صفات سے تہی دست ہو جانا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا ان سارے وسائل و ذرائع کے ساتھ ساتھ ضرورت ہے احکام شریعت پر کاربند ہونے اور دلوں کو یقین و ایمان کی دولت سے آباد کرنے کی، ضرورت ہے خدائی وعدوں پر اعتماد و بھروسہ کی، ضرورت ہے دل کی انگیٹھیوں کو عشق و محبت کی تپش سے گرمانے کی، اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب سیرت نبویؐ اور صحابۂ کرام کی زندگی کو نمونہ بنایا جائے جس کی ایک جھلک اوپر کی سطروں میں گذر چکی۔

اگر ہم اپنی زندگی کو اس سانچے میں ڈھال لیں جس میں صحابہ کرام کی زندگی ڈھلی ہوئی تھی تو ہماری کوششیں مفید و بار آور ہو جائیں گی اور حیرت انگیز نتائج سامنے آئیں گے اور باہمی افتراق و انتشار جیسے مسائل از خود حل ہو جائیں گے۔ جن کے سبب امت مختلف خانوں میں بٹ گئی ہے۔

محفل نعت میں ایک رات

پروفیسر جگن ناتھ آزاد

وہاں کل رات جنت کا نظارا تھا جہاں میں تھا
عجب اک کیف پیہم آشکارا تھا جہاں میں تھا

زمیں کا مرتبہ اس کے سوا لب اور کیا کہئے
کہ ذرہ خاک کا گردوں کا تارا تھا جہاں میں تھا

زمیں سے عرش تک تھا ایک کیف بے خودی طاری
کہ اک نام مقدس جلوہ آرا تھا جہاں میں تھا

منور رات کا دل تھا تجلی خیز نغموں سے
وہاں ظلمت کا دامن پارہ پارہ تھا جہاں میں تھا

دلوں کے درد کی آباد تھی دنیا زبانوں پر
سعادت نے عجب نقشہ اتارا تھا جہاں میں تھا

یہ تھی وہ سرمدی محفل کہ اس محفل کا یہ لمحہ
محبت نے عقیدت سے سنوارا تھا جہاں میں تھا

وہ دانائے سبل ختم الرسل کا ذکر تھا جس کا
میسر اہل باطن کو سہارا تھا جہاں میں تھا

اصلاح و استفادہ سے کوئی مستغنی نہیں

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم نے یہ تقریر مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ الٰہ آباد میں ان کی وفات کے بعد فرمائی، جو نومبر ۱۹۷۶ء میں معرفت حق نما میں شائع ہوئی تھی۔ تقریر کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم اس کو ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد بن عبد اللہ الامین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین

حضرات! جن لوگوں کو کسی مدرسہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا وہ کسی بزرگ کی خدمت میں استفادہ اور تربیت کے لئے حاضر ہوئے ہیں ان کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا کہ زمانہ خواہ کتنا ہی گذر جائے اس طالب علم کے لئے اپنے مدرسہ میں کھڑے ہو کر کچھ بیان کرنا یا اس جگہ جہاں وہ استفادہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ کچھ عرض کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

میری مثال بالکل ایسی ہی ہے اس لئے کہ میں ہمیشہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں اور خصوصاً اس آخری دور میں حضرت مولانا (شاہ وصی اللہ صاحبؒ) کی خدمت میں محض اس لئے آتا تھا کہ کوئی ایسی بات سننے میں آئے جس سے دل میں کچھ کیفیت پیدا ہو، یقین میں اضافہ ہو اور ایمانی حلاوت نصیب ہو۔ اور رسم و صورت میں حقیقت پیدا ہو۔

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ کچھ لکھ پڑھ جاتے ہیں یا ان کو کچھ تصنیف و تالیف کا اتفاق ہوتا ہے اور ان کی طرف کچھ نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں کہ ہم بھی کچھ جانتے بوجھتے ہیں تو پھر اب ان کو کچھ سننے کی اور کہیں جانے کی اور کسی سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں تو ان کا یہ خیال بالکل صحیح نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دور میں بھی اور کسی عمر میں بھی، گمنامی اور شہرت کی حالت میں بھی استفادہ سے بلکہ اصلاح سے مستغنی نہیں ہوتا، ہمہ شما کا تو خیر ذکر کیا ہے۔ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی صحبت حاصل تھی جس کو کیمیا اثر کہنا بھی حقیقت میں اس کی کچھ تعریف نہ ہوگی۔ بس یوں سمجھئے کہ ایسی پاک صحبت جس کے بعد کسی صحبت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اور کوئی صحبت اس سے بڑھ کر مؤثر نہیں ہو سکتی مگر پھر بھی صحابۂ کرامؓ کو آپ کے بعد ہمیشہ اس بات کی فکر و طلب رہتی تھی کہ اپنے ایمان میں اضافہ کریں اور ہمارے قلوب میں وہی سوز و گداز اور وہی کیفیات پیدا ہوں جو صحبت نبویؐ میں حاصل ہوا کرتی تھیں یا کم از کم اس کا اثر یا عکس ہی نصیب ہو جائے چنانچہ بخاری شریف میں ایک جلیل القدر صحابی کا یہ قول ۔ امام بخاری نے نقل کیا ہے اجلس بنا نؤمن ساعۃ۔ آؤ بھائی تھوڑی دیر بیٹھ کر ذرا ایمان کی باتیں کر لیں۔ اور ایمان کا مزہ اٹھا لیں۔ ایمان کے جھونکے آئیں اور ہم اس سے لطف اندوز ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو بعد والے کیونکر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے اور جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ کہنے سننے سے آدمی کے قلب میں ضرور ایک بے کیفی سی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس میں کہنا سننے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ سننے سے اتنی بے کیفی قلب میں نہیں پیدا ہوتی ہے۔ جتنی کہنے سے ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ کبھی سامع ہوں قائل نہ ہوں اور کبھی صرف مستفید ہوں مفید نہ ہوں اور کبھی مخاطب ہوں مخاطب نہ ہوں اور ہمہ تن گوش ہو کر کسی اللہ والے کی باتیں سنیں تاکہ قلب میں ایسا کیف پیدا ہو جس سے قلب کی زندگی ہے۔

غرض جن لوگوں کو ذرا بھی تجربہ ہے اور ان کے قلوب مردہ نہیں ہو چکے ہیں وہ خود جانتے ہیں کہ ان کو دوسروں سے ہزار درجہ زیادہ اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ والوں کی بات ادب و تعظیم کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے اگر وہ سمجھیں کہ ہم مستغنی ہیں یا ہم بھرے ہوئے ہیں۔ تو ان سے زیادہ محروم و بدقسمت کوئی نہیں بزرگان دین نے اس کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی فقیر اس طرح صدا لگائے کہ یوں تو میرے پاس

سب کچھ ہے ہمارا کشکول بھی بھرا ہوا ہے پھر بھی صدا لگاتا ہوں تو بڑے سے بڑے سخی کے اندر بھی سخاوت کا جذبہ نہیں پیدا ہوگا۔ اس کے لئے تو اسباب کی ضرورت ہے کہ اپنے کو محتاج ظاہر کیا جائے۔ یہی حال اب یہاں بھی ہونا چاہیئے (یعنی اللہ والوں کے یہاں) ان حضرات کے یہاں اس طرح سے حاضر ہونا چاہیئے کہ ہم بالکل خالی ہیں مفلس و محتاج بن کر آپ کی خدمت میں کچھ لینے کے لئے آئے ہیں ؎

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للّٰہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیلِ ما
آنچہ ہست بردست و بر بازوئے تو

واقعہ یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں ایسے حضرات کی خدمت میں حاضری دوں۔ اور پھر ایسے دور میں اور ہمارے جوار میں حضرت مولانا وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ شفقت کرنے والا میری نظر میں کوئی نہیں تھا۔ اور مناسبت کی بات تو بالکل غیر اختیاری ہے اس کے لئے کوئی معلوم اور متعین اصول نہیں ہیں کیوں ہوتی ہے؟ کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ اس کے اصول تو کسی بڑے سے بڑے حکیم نے بھی نہیں بتائے تو مناسبت منجانب اللہ ایک چیز ہے، بہرحال حضرت کی صحبت سے مجھے فائدہ ہوتا تھا۔ حضرت کی شفقتوں سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں وہ تو ہمارے دوستوں کو اور یہاں کے حاضر باش بزرگوں کو یاد ہوں گی باقی سب سے بڑا فائدہ یہاں کی حاضری میں مجھے یہ ہوتا تھا۔ (جس کی شاید آپ حضرات کو توقع نہ ہوگی) وہ یہ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم یہاں بالکل عامی ہیں اور گنوار ہیں ہمیں ان چیزوں کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور یہ کہ دین کی حقیقت ان ہی حضرات کے یہاں آکر معلوم ہوتی ہے۔ اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا سوائے اس اصولی اور کلی فائدے کے تو سب سے بڑا فائدہ یہی تھا کہ کہیں تو آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔ کہیں تو آدمی کو معلوم ہو کہ وہ محتاج ہے۔ تو سب سے بڑی چوٹ جو یہاں آکر دماغ پر لگتی ہے وہ یہ کہ ہم تو بالکل عامی اور جاہل ہیں ہمیں تو صرف نقوش آتے ہیں باقی دین کی حقیقت سے ہم بہت دور نظر آتے ہیں اسی کو علامہ اقبال نے کسی کے متعلق کہا ہے ؎

سرِ دیں ما را خبر اُو را نظر
اُو درونِ خانہ ما بیرون در

یعنی ہمارے لئے دین کی حقیقت سنی سنائی چیز ہے اور ان کے لئے جانچی پرکھی دیکھی بھالی اور چکھی ہوئی چیز ہے وہ گھر کے اندر ہیں اور ہم گھر سے باہر، غرض بزرگانِ دین کے یہاں جاکر آدمی کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے خاص کر پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں کہ ہمیں اپنی صورت میں حقیقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے قالب میں روح پیدا کرنے کی حاجت ہے یہ سب سے بڑا فائدہ ہے

مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے جب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تو ان کے بہت سے عالی معتقدین کو ناگوار ہوا۔ اور سید صاحبؒ سے احتجاج کیا کہ ہماری جماعت کی ایک طرح کی سبکی ہوئی کہ ہم نے تو آپ کو بڑا بنایا تھا۔ گویا آپ شیخ الکل تھے اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے۔ اور آپ نے دوسرے کا دامن پکڑ لیا۔ تو اس سے ہماری خفت ہوئی اس پر ایک دن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ عجیب لوگ ہیں ایک طرف تو میرے معتقد بنتے ہیں دوسری طرف مجھ ہی پر اعتماد نہیں کرتے یعنی میں اپنا فائدہ سمجھ کر وہاں گیا تو ان کو اس سے اختلاف ہے گویا میرے استاد بن کر مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ان سے پوچھ کر وہاں جاتا، میں تو اپنا فائدہ اس میں دیکھتا ہوں اور آپ کی خاطر وہاں نہ جاؤں، گویا اس دولت سے میں محروم رہوں۔

ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف نکتے اور موشگافیاں نہیں ہیں وہ تو ذہانت کا نتیجہ ہیں، درحقیقت ذہانت کے چار درجے ہیں اور جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے۔ یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ اس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے جہاں سرحدیں ختم ہوتی ہیں دماغ کی ذہانت کی (جس سے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ تھا) وہاں سے قلب کی ذہانت شروع ہوتی ہے۔ اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان مخلص اور مقبول بندوں کو حاصل ہوتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ تربیت کا کام لیتے ہیں، اس میں سامنے ہونا نہ ہونا، مسافت کا قرب و بعد، معرفت و عدم معرفت سب برابر ہے کوئی چیز اس کے لئے شرط نہیں ان حضرات کی روح اتنی تراق، اتنی سریع الادراک ہوتی ہے۔ کہ بلا کسی شرط کے خیر و شر کی تمیز ان کو حاصل ہو جاتی ہے خصوصی طور پر ان حضرات کے یہاں جو چیز مجھے محسوس ہوتی ہے وہ یہی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا فضل ہے کہ بغیر کسی وجہ کے جس کی وجہ مجھے خود نہیں معلوم۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بندوں کے پاس مجھے پہونچا دیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں، میں نے ان دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ مشابہت دیکھی اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا۔ ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت میں۔

بہرکیف میں ان حضرات کے یہاں اس لئے آیا کرتا تھا کہ کبھی تو اس بڑی رعونت اور فریب خوردہ کو یہ محسوس ہو کہ وہ کچھ نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر آدمی کے لئے کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ اس کو کبھی یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی کوچہ ایسا بھی ہے کہ جس سے وہ واقف نہیں اور خاص طور سے دین کے متعلق اگر یہ ذہن میں آجائے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ تو اس سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے ایسا آدمی جو بھی دعویٰ کردے بعید نہیں ہے۔ اور اسی طرح کے لوگوں نے دعویٰ کیا بھی ہے۔ ان لوگوں نے دعویٰ نہیں کیا جو پہاڑ کے نیچے کھڑے تھے کہ جب سر اٹھاتے تو دیکھتے کہ آسمان بھی بہت اونچا ہے۔ بلکہ جو لوگ سمجھے کہ ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہونچ گئے ہیں انھوں نے دعویٰ کیا ہے، انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز مہلک نہیں۔

اور اس پر یہ بڑا فضل ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ دین کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں جاکر دین کی وہ باتیں سننے یا دیکھنے میں آسکتی ہیں جس سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارا میدان نہیں اور یہاں ہمارا گذر نہیں۔

کوئی شخص اگر ایسا ہو کہ بولنے پر آئے تو بولتا جائے، اور لکھنے پر آجائے تو لکھتا جائے اور دنیا بھر کے لوگ مل کر اس کی تعریف کرنے لگیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ "سترِ دین" جس کو علامہ اقبالؒ نے کہا ہے اس کو کرنے کی ضرورت ہے اور وہ اللہ کے ان خاص بندوں ہی کے پاس ہوتا ہے۔ یہی چیز تھی جس کی وجہ سے حضرت ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ نے سید عبدالرزاق بانسویؒ کا دامن پکڑا جو بالکل ہمارے بارہ بنکی اور لکھنؤ کے دیہات کی بولی بولتے تھے جیسے آوت ہے، جاوت ہے۔ (یعنی آتا ہے جاتا ہے) یہ تو ان کی زبان تھی مگر ملا نظام الدینؒ کا حال یہ ہے کہ مناظرہ رزاقیہ میں دیکھتے چلے جائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو ان کے سامنے بالکل ہیچ سمجھ رہے ہیں، اور آپ ہر دور میں اس کی مثال دیکھیں گے تیرھویں صدی میں مولانا عبدالحی صاحبؒ جن کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ خود شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ جنکو (شاہ صاحبؒ) حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام مولانا عبدالحی اور حجۃ الاسلام مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اگرچہ یہ دونوں میرے عزیز ہیں اور مجھ سے چھوٹے ہیں۔ مگر اظہار حق واجب ہے اس لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو وہ مقام عنایت فرمایا ہے کہ جو کمتر کسی کو حاصل ہے، نیز فرماتے ہیں کہ ان کو مجھ سے کم نہ سمجھو۔ تو ان لوگوں کو دیکھئے کہ سید احمد شہیدؒ سے رجوع ہوئے جو کہ امی تو نہیں تھے مگر محض فارسی داں تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ مشکوٰۃ کا مطالعہ کرتے تھے اور جو کوئی پاس سے گذرتا اس سے پوچھتے ارے بھائی! اس لفظ کے کیا معنی ہیں ذرا بتاتے جایئے ان کا یہ علم تھا اور مولانا عبدالحیؒ سے تو انھوں نے پڑھا بھی تھا اس کے باوجود ان دونوں حضرات نے

سید صاحب کی رکاب جو تھامی ہے تو مرتے دم تک نہیں چھوڑی جب کوئی پوچھتا کہ آپ لوگوں نے سید صاحبؒ میں کیا بات دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف رجوع کیا؟ حالانکہ وہ علم میں بھی آپ کے مقابل میں کوئی مقام نہیں رکھتے۔ تو فرماتے، بھائی ہم کو نماز پڑھنی بھی نہ آتی تھی انھوں نے نماز پڑھنا سکھایا۔ روزہ رکھنا آتا تھا انھوں نے روزہ رکھنا سکھایا۔ نیز فرمایا کہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں پڑھے لکھوں کو بھی جاکر معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اگر خدانخواستہ ایسی جگہیں ختم ہوگئیں اور ایسے اللہ کے بندے نہ رہے۔ اگر صرف مدعیانِ علم رہ گئے اور ہم جیسے لوگ رہ گئے جن کے متعلق لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں تو یہ بڑے خطرے کی بات ہے" ؎

عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ کچھ ایسے حضرات موجود ہیں جہاں نہ کسی خوش بیانی کی ضرورت ہے اور نہ کسی بڑے وسیع مطالعہ کی حاجت، یہ سب چیزیں تو ہر جگہ موجود ہیں۔

میں تو کہا بھی کرتا ہوں اور اس میں تنہا نہیں ہوں کہ آجکل کے علماء کے وعظ میں میرا جی نہیں لگتا۔ جلسے کی تحقیر اور علماء کی تنقیص نہیں کرتا اور اس کے فائدہ کا بھی انکار نہیں، لیکن خدا جانے کیا بات ہے اس کو بیماری ہی سمجھ لیجئے کہ میرا جی نہیں لگتا، ہمارا جی تو بس ایسے وعظ میں لگتا ہے جس میں خالص اللہ اور اس کے رسول کی بات، پرانے انداز سے کہی جائے اور جنت و دوزخ کا تذکرہ کیا جائے، چنانچہ جب یہ حضرات تقریر کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کتابی علم ہے نہ کتابوں کی باتیں

ہیں، بلکہ یہ علمی باتیں ہیں، سیدھی سادی دین کی باتیں اور ایسے انداز سے کہی جاتی ہیں کہ ہم کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی ہم جب آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ فرمارہے ہیں، وہ حقیقت ہے اور ان کے یہاں لب لباب ہے یہ نہیں کہ ایک چیز کو خوب پھیلا کر بیان کیا جارہا ہے۔ یہ چیز تو ہم کو دوسری جگہ نہیں ملتی۔ ہمارے یہاں کتب خانے ہیں اور دوسرے ذرائع ہیں جن سے ہم کسی بھی مضمون کو پھیلا سکتے ہیں، لیکن ان حضرات کے یہاں جو حقائق ہیں ان کی نوعیت ہی کچھ اور ہے۔

مولانا جامی صاحب نے ایک عالم کا جو کمال سنایا کہ میں اور جگہوں پر گیا وہاں پر جیز محسوس نہ ہوئی جو حضرتؒ کی خدمت میں آکر محسوس ہوتی۔ اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

وہ یہ کہ بزرگوں کے یہاں کوئی بنیادیں، کوئی نیا علم کوئی نئی تحقیق، کوئی نیا انکشاف نہیں ہے۔ اس بارے میں بھی لوگ بہت غلط فہمی میں ہیں معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں کہ بزرگان دین کے یہاں جاکر کیسے کیسے دین کے اسرار و نکات اور عجیب عجیب تحقیقات سننے میں آئیں گی۔ تو یہ بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ محی الدین ابن عربیؒ کے یہاں مجدد الف ثانی اور شیخ مخدوم یحییٰ بہاریؒ کے یہاں تو ایسے ایسے نکات ہیں کہ بڑے بڑے فلسفی ان کے سننے کے بعد کان پکڑلیں اور سمجھیں کہ ہمیں تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ لیکن ان حضرات کے یہاں سے جو چیز لینے کی ہے وہ یہ کہ صورت اور رسم میں حقیقت پیدا کی جائے۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہی خلاصہ بھی ہے تصوف کا، جس کا مطلب گویا بس اسکے سوا کچھ نہیں کہ نماز تو پڑھتے ہیں صحیح نماز پڑھنے لگیں اور دین کے سارے شعبوں میں حقیقت نہیں تھی۔ نیت صحیح نہیں تھی۔ اخلاص صحیح نہیں تھا۔ رخ صحیح نہیں تھا، حقیقت پیدا ہوجائے اور نیت درست ہوجائے اور اللہ کی رضا کے لیئے ہم اس کو کرنے لگیں۔ اور شریعت کے احکام کی تلاش اور ان کا اہتمام پیدا ہوجائے، نیز ان کا ادب و احترام پیدا ہوجائے، احکام شرعیہ کا اہتمام اور انتظام یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں، بس یہ ہے کہ تل اوٹ پہاڑ جس کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف پتہ نہیں کیا چیز ہے اور تصوف کی حقیقت جو میں بیان کررہا ہوں اس میں بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔

حضرت مولانا کی تصنیف "نسبت صوفیہ"

اس سلسلہ کی بہترین چیز ہے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ کیا جائے اور علماء خاص طور پر اس کو پڑھیں کیونکہ تصوف کی اصلاح نے ہی اس پر پردہ ڈالدیا ہے۔ لہٰذا بجائے تصوف کے جیسا کہ حضرت مولانا کا معمول تھا، اس کو "نسبت احسان" یا حقیقت سے تعبیر کیا جائے اگر سب حضرات مل کر اس بات کو قبول کرلیں اور گو یہ کام مشکل ہے لیکن اگر ہوجائے تو کیا خوب ہے کہ منکرین تصوف سے ہمارا آدھا اختلاف تو اسی سے ختم ہوجائے گا۔

نیز فرمایا کہ تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہتے ہیں بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں ہمارے اندر اصلیت پیدا ہوجائے، نیز اس کی اہمیت پیدا ہوجائے، گویا نمک ہے مگر اس میں نمکینی نہیں ہے، شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے مٹھاس پیدا ہوجائے، پانی ہے مگر اس میں برودت اور تسلی دینے اور پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں، وہ ایسا ہوجائے کہ اس سے ہمارا حلق تر ہورہا ہو، ہمارے جسم کا ایک ایک عضو تر ہورہا ہو اور ہماری زبان سے اللہ کا شکر ادا ہو ہمارے اور پانی کے درمیان جو رشتہ ہے حقیقت میں وہ ٹوٹ گیا ہے۔ پانی بھی موجود ہے اور ہم بھی ہیں لیکن پانی سے جو فائدہ ہم کو پہونچنا چاہیئے وہ نہیں پہنچ رہا ہے اس میں پانی کا نقص کم اور ہمارا نقص زیادہ ہے بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے اور اس کے درمیان پل ٹوٹ گیا ہے پل تعمیر کرلیجئے تاکہ پانی اپنا کام کرنے لگے۔ اللہ کی نعمتیں بٹ رہی ہیں، اللہ کی دنیا بالکل اسی طریقے سے ہے، جیسی تھی لیکن اس سے استفادہ کے جو وسائل تھے وہ کمزور ہوگئے ہیں۔ بقول اکبر مرحوم ؎

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار دنشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

یہی حال دین کی نعمتوں کا ہے، قرآن وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہی احکام شرعیہ سب وہی اور ان پر اللہ کے جو وعدے ہیں سب برحق، لیکن ہمارے اور ان کے درمیان جو رشتہ ہونا چاہیئے تھا اعتقاد کا یقین کا، بھروسے کا اور شوق کا وہ ٹوٹ چکا ہے اسی کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ بس یہی چیز ان حضرات سے لینے کی ضرورت ہے اور اسی کے وہ امام تھے۔ ان کی تحریریں اور ان کے ملفوظات اور ارشادات اب بھی موجود ہیں اور ان میں وہی تاثیر ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ حضرتؒ نے جو گرامی نامہ میرے نام تحریر فرمایا تھا اس میں خواجہ محمد معصومؒ کی ایک عبارت بھی نقل فرمائی تھی، جس میں ففروا الی اللہ تحریر تھا۔ میں نے جب حضرتؒ کا وہ خط پڑھا تو مجھ پر کئی دن تک اس کا اثر رہا۔ خواجہ محمد معصومؒ کا مضمون بالکل ایسا معلوم ہوا کہ ایک زندہ چیز ہے،

اور ابھی کسی اللہ کے بندے نے لکھا ہے ایک تو حضرت خواجہ محمد معصوم کی تحریر پھر حضرتؒ کا اس کو نقل کرنا ان دونوں باتوں کے امتزاج سے اس میں اثر ہی دوسرا تھا۔

خدا کا شکر ہے "جائے بزرگاں بجائے بزرگاں" آج حضرت تو نہیں ہیں مگر حضرت کے جو معمولات تھے اور ان کی اصلاح و تربیت کا جو طریقہ تھا وہ آپ حضرات نے اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے جاری رکھا ہے اور حضرت کی یہ مقبولیت اور خصوصیت ہے ورنہ بہت سی جگہ دیکھا کہ جب وہ بزرگ اٹھ گئے تو سب چیزیں ختم ہوگئیں اور وہ جگہ خالی ہوگئی۔ سوا اس کے کہ جاکر زیارت کرلیجئے، کوئی پیغام وہاں سے نہیں ملتا اور دل کی دوا وہاں نہیں ملتی بزرگوں نے اسی موقع کے لئے یہ مصرعہ پڑھا ہے ؎

وہ چیختے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے۔

چنانچہ جہاں جائیے یہی نظر آتا ہے کہ جن کی دوکان تھی وہ واقعی بڑھا گئے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ یہاں کے لوگوں نے حضرتؒ کے کام کو جاری رکھا رسالے کے ذریعہ، مجلسوں کے ذریعہ، خطوط کے ذریعہ اور حضرت کے جو جو افادے کے طریقے تھے اس کے ذریعہ ان چیزوں کو باقی رکھا بیشک دین زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ اس کا انتظام رہے گا کہ حقیقی دین باقی رہے۔ اور وہ زندہ انسانوں کے ذریعہ سے زندہ رہے گا۔

لہٰذا اب اس کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تحقیقات اور ملفوظات کے ساتھ ساتھ ان کے سلسلے اور ان کے خاندان اور ان کے دوستوں کو اس کی توفیق دیتا رہے کہ وہ اس کام کو جاری رکھیں اور خود ان سے بھی دوسروں کو وہی پیغام ملتا رہے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور یہ فیض جاری رہے۔

یہ شہر تو ہمیشہ سے مرکز رہا ہے اور یہاں کیسے کیسے اللہ کے بندے پیدا ہوئے ہیں اور آخر میں حضرتؒ نے بھی اسی جگہ کا انتخاب فرمایا اور وہ چیز زندہ ہوگئی، ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بہ مہر و نشاں است

الحمدللہ کہ ابھی خم و خمخانہ مہر و نشاں کے ساتھ باقی ہے، خدا کا شکر ہے کہ حضرتؒ کے بعد اتنے دن گذر جانے کے باوجود بھی الحمدللہ جگہ خالی نہیں ہے اور یہاں سے وہی پیغام ملتا ہے اور وہی بات کہی جاتی ہے۔ ؏

اللہ رکھے آباد آں ساقی ترا میخانہ

چراغ مسجد و محراب و منبر

● مجیب بستوی

نبیؐ کے جلوۂ روئے منور یاد آتے ہیں
مجھے میری نگاہی کے دفتر یاد آتے ہیں
چراغ مسجد و محراب و منبر یاد آتے ہیں
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ یاد آتے ہیں
سماج رسولِ پاکؐ کے گھر یاد آتے ہیں
نظر کو گنبدِ خضرا کے منظر یاد آتے ہیں
مجھے ہر ہر نفس پر یاد آتے ہیں نبیؐ میرے
ہر اک لمحہ مجھے میرے پیمبر یاد آتے ہیں
سلام ان پر درود ان پر لاکھوں لقب جن کو
غریبوں کے ولی، مسکین پرور یاد آتے ہیں
جنھوں نے بخش دی راہِ ہدایت سارے عالم کو
جنھوں نے جگمگایا ہے مقدر یاد آتے ہیں
مجیبؔ یہ گردشِ دوراں سے کہدو خوف کیا مجھ کو
مجھے تو سر براہِ خلد و کوثر یاد آتے ہیں

TWIN CONSTRUCTIONS
BUILDERS & DEVELOPERS

اعلیٰ تعمیر۔ پرفضا مقام
بہترین جائے وقوع

اعلیٰ معیاری ماحول اور اعلیٰ ذوق کے افراد کے لئے
تین بلڈنگوں پر مشتمل آفسوں اور دوکانوں کے لئے
تشریف لائیں

انٹرنیشنل ایرپورٹ سے قریب جدید طرز اور گلاس لفٹ گیرانٹڈ اور جدید انداز پر مشتمل ہے۔ تعمیری کام تیزی سے جاری ہے۔
آیئے
اور ٹوئن کنسٹرکشن کمپنی کی پیش کش قبول کیجئے

Regd. Office :
Twin Complex Phase I, Office No. 201, Opp. Marol Fire Brigade,
Marol Maroshi Road, Andheri (E), Bombay - 400 059.
Tel. Fax : 850 1150 - 850 3321 - 850 3227

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

تحریر: مولانا سید واضح رشید ندوی
ترجمہ: مطیع الرحمٰن عوف ندوی

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، اور مغربی مفکرین یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ یورپ دین و مذہب سے بے نیاز ہے اور اس کی ترقی اور عروج مذہب سے آزادی کا نتیجہ ہے اور وہ قوموں کے ساتھ معاملہ کرنے میں مذہب کو بنیاد نہیں بناتا اور نہ مسائل کو مذہبی نقطۂ نظر سے حل کرتا ہے لیکن تجزیہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یورپ کے سیاسی قائدین ہوں یا کوئی سماجی تنظیم ہو، تحریک ہو، حقوق انسانی، تعلیمی اور ذرائع ابلاغ کے میدان میں خدمات انجام دینے والے ادارے ہوں، وہاں کے اسکالرز، مفکرین یا ماہرین فن ہوں، ان سب کا کسی نہ کسی صورت میں مذہب سے ربط و تعلق ضرور ہوتا ہے، اور ان کے افکار و خیالات اور کردار و عمل میں کبھی کبھی کم تو کبھی اس کی بڑی گہری جڑیں نظر آتی ہیں، اس کا برملا اعتراف ہر وہ شخص کرتا ہے جو یورپ کے کسی فرد سے ملا ہو، وہ سیاسی شخصیت ہو یا علمی یا ادبی یا فنی، مذہب سے یہ وابستگی تعجب خیز نہیں، ہاں مذہب سے علاحدگی ضرور تعجب خیز ہے یورپ کا مذہب سے آزادی کا دعویٰ ایک فریب تھا جس میں نام نہاد دانشور طویل مدت تک مبتلا رہے۔

یہ بات تجرباتی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ مذہب سے کنارہ کشی یا آزادی کا تصور ایک خیال خام ہے اور لوگوں کو مذہب سے بیزار کرنے کی کوئی بھی مہم ایک بے مصرف کوشش اور لاحاصل تگ و دو ہے، پچھلے سالوں میں مذہب کے پیروکاروں اور لادینیوں کی مردم شماری ہوئی تو اس سے ثابت ہوا کہ محض مٹھی بھر لوگوں کی تعداد ایسی ہے جو کسی بھی مذہب کو نہیں مانتی، یورپ کی مذہب پسندی تو پوری دنیا میں عیسائیت کے فروغ کے سلسلہ میں جاری اس کی سامی سے ہی عیاں ہو جاتی ہے، دنیا بھر میں ایسی مذہبی، دعوتی تنظیمیں سرگرم ہیں جن کا مالی تعاون وہ ترقی یافتہ ملک کرتے ہیں جنھیں سیکولر اور آزاد ممالک سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ ممالک گرجا گھروں کی تعمیر، مشنری اداروں کے قیام اور پادریوں کے اوپر ایک خطیر سرمایہ خرچ کرتے ہیں اور عیسائیت کے فروغ کے لئے سرگرم ہیں، عیسائیوں کے ساتھ ہمدردی کے اظہار میں انھیں کسی طرح کا تردد نہیں ہوتا، یورپ نے عیسائیت کی اشاعت کے لئے ہر طرح کے وسائل اپنا رکھے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یورپ ان اقتصادی و ثقافتی اداروں اور تربیتی نظاموں سے فائدہ اٹھاتا ہے جو اس کے زیر اثر ہیں یہ تمام باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں کسی پر مخفی نہیں ہیں اور نہ تو اس طرح کے بدیہی حقائق کو بس پردہ چھپایا ہی جا سکتا ہے۔

کمیونزم کے غلبہ کے بعد زندگی سے مذہب کی کنارہ کشی کا تصور عام ہو گیا تھا خاص کر جب اس کے علمبرداروں نے یہ اعلان کیا کہ مذہب اشتراکیت کا اولین حریف ہے اور اشتراکیت کے تمام رہ نما مذہب کے دشمن ہیں، لیکن بادل کی یہ گرج بھی صرف مسلمانوں ہی کے لئے تھی کیونکہ کمیونزم کی تمام ظالمانہ و جابرانہ کارروائیوں اور اقدامات کا نشانہ صرف اور صرف مسلمان بنے تھے جبکہ اسی کمیونزم کے علمبرداروں نے روس میں عیسائیت کو پناہ دی وہ مسیحی یورپی نسل کے طرفدار دنیا تھے جبکہ اسلام اور مسلمانوں سے ان کو سخت دشمنی تھی اور انھوں نے بعض سخت اقدامات کے ذریعہ اسلامی عناصر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی سازشیں کیں مسلمانوں کو جلاوطن کر کے، مذہبی آزادی پر پابندی عائد کر کے، مسجدوں اور تعلیم و تربیت کے اداروں پر قبضہ کر کے اور کسی بھی مذہبی لٹریچر یا مواد کے پڑھنے پر پابندی عائد کر کے انھوں نے مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ کیا، اور یہ تمام سرگرمیاں کمیونسٹ نظام میں جاری رہیں اور حال یہ ہے کہ اشتراکیت کے خاتمہ کے بعد بھی روسی غلبہ کے زیر اثر مسلم ملکوں میں اب بھی یہ کارروائیاں جاری ہیں اس پوری صورتحال سے جو بات کھل کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اشتراکیت نوازوں کی دشمنی محض مذہب سے نہیں بلکہ صرف دین اسلام سے تھی۔

دین کے ساتھ یہ امتیاز جہاں ایک طرف بعض ملکوں میں اس سے دشمنی کی صورت میں نظر آتا ہے تو دوسری طرف یورپی فکر کے زیر اثر ملکوں میں اس کی حفاظت و اشاعت کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے، یورپ عیسائیوں کے ساتھ تو جذباتی تعلق رکھتا ہے اور گرجا گھروں اور اس کے پادریوں کے لئے نرم گوشہ اور خیر خواہانہ رکھتا ہے مشنری کو وہ ہر طرح کی آزادی فراہم کرتا ہے اسی طرح تمام عیسائی تنظیمیں عیسائی تشخصات مثلاً صلیب اور سیدہ عذرا اور دیگر راہباؤں کی تصویریں کھلے عام استعمال کرتی

ہیں، اور یہ حکومتیں ان تنظیموں کی کفالت کرتی ہیں اور ان کا بھرپور مالی تعاون کرتی ہیں۔ ان ملکوں میں بکثرت مشنری کالج و اسکول اور نشریہ ادارے ہیں حتیٰ کہ جزیرۃ العرب اور اس کے پڑوسی ملکوں میں جہاں کے بارے میں نص شرعی ہے کہ وہاں دو مذہب جمع نہیں ہو سکتے ان ملکوں میں بھی گرجا گھر پائے جاتے ہیں لیکن ان کے کوئی رقابت نہیں ہے، اسی طرح ایک طرف اسلام دشمن تحریکوں اور تنظیموں کی تو ہمت افزائی کی جاتی ہے لیکن اس کے برعکس خود اسلامی ملکوں میں مذہبی جذبات کو سرد کرنے والے کارروائیوں کو نافذ کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے نتیجۃً ان ملکوں میں مشنری، صیہونی اور اباحی سرگرمیاں جاری ہیں، اور اسلام کے خلاف نفرت آمیز پروپیگنڈہ یورپ کا محبوب مشغلہ ہے۔

اسلامی ملکوں میں اسلامی سرگرمیوں، مذہبی جماعتوں، اور اسلامی تحریکوں پر پابندی عائد ہونا ایک عام سی بات ہو چکی ہے جب کہ فساد و جرائم کے بازار گرم کرنے والے پوری آزادی کے ساتھ اپنا عمل جاری رکھتے ہیں، اسی طرح اسلامی ملکوں میں فحش اور ہیجان انگیز رسائل و میگزین کی درآمد پر بھی کھلی چھوٹ ہوتی ہے لیکن اسلامی مواد اور مسلم علماء کی تصنیفات پر پابندی لگائی جاتی ہے، اس لئے کہ ان کی نگاہ کوتاہ فہم میں اس سے دہشت گردی کو ہوا ملتی ہے اور یہ تحریکات اور تصنیفات مغربی تہذیب و ثقافت کی مخالف سمجھی جاتی ہیں اور ان کو ملک کی مصلحتوں کے ہم آہنگ نہیں سمجھا جاتا۔

اس موقف سے دوسرا سربستہ بات سامنے آتی ہے کہ ہر ملک میں مذہب کا مطلب صرف اسلام ہے اس لئے کہ یہ حکومتیں دیگر مذاہب اور ان قدیم عقائد و تصورات کے احیاء کے لئے تو کھلی چھوٹ دیتی ہیں جو اب فرسودہ ہو چکے ہیں اسی طرح ان زبانوں اور قدیم ثقافتوں کو جو بالکل لاشعور جان اور مردہ ہو چکی ہیں زندہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس طرح کے امور کو نہ تو رجعت پسندی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نہ ہی پسماندگی سے، نہ دہشت گردی سے اور نہ نسل پرستی سے اور نہ ہی تنگ نظری اور تنگ دلی سے، نہ دیگر مذاہب کی جماعتوں اور اداروں کو اپنے افکار و خیالات کی اشاعت اور بچوں کے لئے تربیتی اداروں کے قیام کی پوری آزادی ملتی ہے جن کو مذہب و عقیدہ کی آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اسلامی ثقافت کو اس طرح کی آزادی دینا وہ کسی جماعت و طبقہ کے لئے روا نہیں رکھتے۔

مذہب اسلام قدامت بھی رکھتا ہے اور ترقی یافتہ بھی ہے وہ فکری، انسانی احترام و عظمت اور آزادی کی دستوں سے ہمکنار ہے سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ تجرباتی اور عملی اعتبار سے دیگر ادیان کے مقابلہ میں زیادہ آزمودہ ہے لیکن وہ غیر مسلم ملکوں کی طرح مسلم ملکوں میں بھی زندگی سے بے دخل ہے دیگر ملکوں میں اس کی دعوت و اشاعت کی اجازت نہیں ہوتی اور اس کی تبلیغ کے لئے داعیوں کی جماعتوں کا ملنا جلنا اور مسلمانوں کا باہم مشورہ و اجتماع کرنا قانونی اعتبار سے ممنوع ہوتا ہے اور اس طرح کے مشوروں اور ملاقاتوں کو دہشت گردی تصور کیا جاتا ہے اور اسے رجعت پسندی اور بنیاد پرستی قرار دیا جاتا ہے اور اس طرح اسلام خود اپنے ہی گھر اور وطن میں اجنبیت اور ناانصافی کی زندگی جی رہا ہے، ان حالات میں غیروں کا کیا شکوہ کیا جائے بات صرف اسلام دشمنوں کی نہیں ہے اور نہ ہم دشمنوں کی جانب سے اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ وہ اسلام کی اشاعت کی اجازت دیں گے بلکہ مسئلہ تو ان لوگوں کا ہے جو خود کو مسلمان کہتے ہیں اور اپنا تعلق اسلام سے جوڑتے ہیں اور وہ کسی اسلامی ملک کے سربراہ یا ذمہ دار ہوتے ہیں اس کے باوجود وہ دعوت اسلامی کی ہر کوشش کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسلام کی اشاعت کے لئے اٹھنے والے ہر قدم کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اسلامی تحریکوں کی سرگرمیوں پر پابندی لگاتے ہیں اور اپنی ان کارروائیوں کو وطن کی خدمت سمجھتے ہیں اور تعجب اس پر ہے کہ اصلاح و ہدایت کے چراغ روشن کرنے والوں کو وہ فسادی سمجھتے ہیں ان کا حال تو اس طرح ہے جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے: ألا إنهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون۔

سچ تو یہ ہے کہ اسلام کی راہ میں اس طرح کی رکاوٹیں پیدا کر کے وہ سامراج کے بقا کی راہ ہموار کر رہے ہیں اور مسلمان ملکوں پر اس کے تسلط کا موقع فراہم کر رہے ہیں وہ اس طرح مسلم مفکروں اور نوجوانوں کی طاقت کو کمزور کرتے ہیں اور ملک کے مال و دولت کو ضائع کرتے ہیں یا پھر وہ یورپ کے اس مکر و فریب کا شکار ہیں جس کا جال یورپ نے اپنے دور سامراجیت میں بُنا تھا اور وہاں کے حکمراں اب تک اس فکری سامراجیت سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔

کوئی بھی حق پسند اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مذہب ایک انسانی ضرورت ہے جس سے کوئی بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا، مذہب انسانی سعادت اور سکون و طمانیت کا مرکز و منبع ہے، دنیا کا ہر معاشرہ و سماج مذہب کے بغیر اس باطنی سعادت سے محروم ہے اور وہ شقاوت و بدنصیبی کی زندگی گزار رہا ہے، اسی لئے آپ غور کیجئے کہ مذہبی تحریکیں بہت تیزی سے پھیلتی ہیں جبکہ سیاسی

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی کا پیغام

مدارس عربیہ دینیہ کے ذمہ داروں کے نام

مدارس عربیہ دینیہ کو عصر حاضر میں مفید سے مفید تر بنانے کے لئے جانشین انور شاہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی کی مندرجہ ذیل تحریر جو انھوں نے حالات حاضرہ کو سامنے رکھ کر عام و متعارف انداز سے ہٹ کر احادیث نبویہ کی ترتیب جدید ترجمان السنہ کے نام سے کی ہے اس کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے۔ وہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ (ادارہ)

انتخاب: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی

بدقسمتی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ جو فقہا و محدثین کے ساتھ مربوط تھا اپنے ضیق حول قصور فہم اور کوتاہی نظر کی وجہ سے ان تصانیف میں وہی کچھ دیکھتا رہا جو اس کے آئینۂ قلب میں نظر آرہا تھا۔ اس لئے جب عبادات کا باب شروع ہوتا، اس میں بھی خصوصیت سے وہ حصہ جو مختلف فیہ مسائل سے متعلق ہے تو اس طبقے کے علوم و معارف اور توفیق و تحقیق کے سمندر میں تلاطم برپا ہو جاتا، تقریروں میں طول، طبیعت میں روانی اور مزاج میں جولانی پیدا ہو جاتی لیکن جب ان ہی کتب میں اجتماعیات و اخلاقیات، سیاست مدنیہ اور تدبیر منزل وغیرہ کے باب آتے تو اس بحر تلاطم میں یک قلم جمود طاری ہو جاتا، لبوں پر مہر سکوت لگ جاتی، زبان پر خاموشی کے قفل چڑھ جاتے اور طبیعت کا وہ تمام جوش و خروش ایسا ٹھنڈا پڑ جاتا گویا اس میں حرارت کا نام و نشان ہی نہیں تھا۔

اندریں حالات اس غلط فہمی کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا کہ محدثین کی گراں مایہ خدمات یا تو کتب ضوفیاء کی طرح صرف ایک "نظام خانقاہی" کا مجموعہ ہیں۔ یا یہ کتب کلام کی طرح علماء کلام کی مونشگافیوں کا ایک دفتر پراگندہ اس انداز بحث و نظر کے خلاف اگر کبھی کسی نے کوئی قدم اٹھایا بھی تو اس کو بے دینی و زیغ، عدم تقلید، مخالفت سلف اور اس طرح کی عجیب و غریب تہمتوں سے متہم کر دیا گیا۔ ادھر مسلمانوں کا دوسرا طبقہ جو مذہب لور روز ازل ہی سے سامان درد سری یا زیادہ سے زیادہ ایک آئینۂ تہذیب خیال کئے ہوئے تھا اس کو خود تو مطالعہ کی توفیق نہ ہوئی ہماری اس غلط روش سے وہ ایک اور غلط فہمی میں مبتلا ہو گیا یعنی یہ کہ ان کتابوں میں عبادات و رسوم یا چند مسائل کلامیہ و فقہیہ کے علاوہ اجتماعیات و معاشیات کا کوئی باب ہی نہیں ہے اور ہے تو سطحی بلکہ غیر ضروری اور ان چند در چند وجوہ کی بنا پر وہ اپنی معاشیات و اقتصادیات کے لئے کوئی دوسری راہ تلاش کرنے پر مجبور ہو گیا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دونوں جماعتیں افراط و تفریط کے راستوں پر جا رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جمع احادیث کی جو خدمت محدثین کرگئے ہیں اس کی اہمیت کو کسی وقت اور کسی حیثیت سے بھی کم کرنا یا صرف ان گنے چنے ابواب کی وجہ سے جنھیں ان کتب میں کسی وقتی ضرورت سے اہمیت دے دی گئی تھی، تمام ابواب و تراجم اور مباحث دیانات کی اہمیت کو نظر انداز کر دینا یا ان میں موجودہ جدید اصطلاحی الفاظ نہ دیکھ کر اصل حقائق سے بھی ان کو خالی سمجھ لینا یا موضوع فن سے لاعلمی کی بنا پر خود اس فن کے اہم ابواب کو غیر اہم سمجھ کر معترض ہونا علمی دنیا میں ناقابل معافی جرائم ہیں۔

دوسری طرف ہمیں اس کا بھی اعتراف کرنا چاہئے کہ ان کتب میں جو ابواب و تراجم ایک خاص فضا اور خاص ماحول میں اہم سمجھ لئے گئے تھے آج بھی ان کو اسی نظر سے دیکھے چلے جانا، وہی جہمیت کی تردید، معتزلہ و خوارج کے ساتھ وہی جھگڑے، صفات کے عین و غیر ہونے کے متعلق وہی فلسفیانہ کاوشیں، پھر قرآن کریم کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کی وہی قدیم بحثیں زیر تحقیق لائے چلے جانا اور ایک ایسی زمین پر مالکیت و شافعیت کے لئے صف آرائی کرنا جہاں نہ کوئی شافعی ہے نہ مالکی، علم و فکر کے ان مظاہروں کو ہرگز اقتضاء علم نہیں کہا جا سکتا نہ تو اس کا نام احساس ضرورت ہے اور نہ اس کو صحیح معنیٰ میں اتباع سلف کا نام دیا جا سکتا ہے، اتباع سلف یہ ہے کہ جس طرح امام بخاریؒ نے اپنے وقت کے فنون کے مقابلہ کے لئے کتاب الرد علی الجہمیہ، حجیت اخبار آحاد، صفات باری اور شئون باری پر

مناسب عنوانات قائم تھے۔ ان کے قدم بقدم چل کر ہم بھی وقتی مسائل کے لئے مناسب عنوانات قائم کریں۔ ہمیں اس میں ایک لمحہ کے لئے بھی شبہ نہیں ہے کہ اگر امام بخاریؒ اس زمانے میں موجود ہوتے تو اپنی مجتہدانہ شان، دقت نظری، دقیقہ سنجی، اور امت کی ضرورتوں کے متعلق صحیح نبض شناسی اور دردمندی کی وجہ سے اپنے ابواب، تراجم اور عنوانوں کا رخ جہمیت و اعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً ان ہی مسائل کی طرف پھیر دیتے جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج بھی بخاری میں اجتماعیات و اقتصادیات اور دیگر ضروری مسائل کی جانب ایسی اہم تلمیحات موجود ہیں کہ اگر کوئی ذی علم ان سے استفادہ کرنا چاہے تو بہت کچھ استفادہ کر سکتا ہے اور انھیں جدید اخذ و استنباط کی بنیاد قرار دے سکتا ہے۔ آخر حضرت شاہ ولی اللہ محدثین ہند میں ایک محدث ہی تو تھے، جنھوں نے اسی قسم کی ضروریات کا احساس کر کے عام و متعارف مباحث کے علاوہ اجتماعیات و اقتصادیات کے غیر متعارف اور حد درجہ مفید مباحث اپنی تصانیف میں پھیلا دیئے آج حجۃ اللہ کو اٹھا کر دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حنفی ہونے کے باوجود ان کی نگاہ میں مسائل فروعی کو کیا اہمیت حاصل ہے۔

بہر حال سلف کی خدمات کے پورے اعتراف کے ساتھ اگر صورت حال کو اس نظر سے دیکھا جائے تو خدمت حدیث کا یہ گوشہ مجموعی طور پر خالی نظر آتا ہے اور بلاشبہ وقت کی شدید ترین ضروریات میں یہ اہم ترین ضرورت باقی ہے کہ اس وقت احادیث نبویہ پر اس نقطۂ نظر سے دوبارہ نظر ڈالی جائے کہ بین الاقوامی اور اجتماعی مسائل میں دین کامل کی ہدایات کیا ہیں اور فرمودات نبوی میں وقت کے نئے نئے تقاضوں اور الجھنوں کا کیا حل پیش کیا گیا ہے کسی زمانہ میں عدم اہمیت کی وجہ سے اگر ترتیب و تدوین احادیث کا یہ طریقہ بروئے کار نہیں لایا گیا تو اس دور کی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ ایسے چھپے اور دبے ہوئے عنوانات ابھارے جائیں ان کو اسلوب جدید کے سانچے میں ڈھالا جائے۔ تاکہ ایک ... جامع اور مرتب تین حدیث سامنے آجائے

رسید کتب

● نام کتاب۔ مسلم سیاسی پارٹی، مصنف راشد شاذ، قیمت ۱۵/- روپئے۔ ملنے کا پتہ: ٹی ٹائمز بلڈنگ ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵۔ • ایک نئی سیاسی پارٹی کے قیام کی ضرورت • ہندوستانی مسلمانوں کے سیاسی مسئلہ پر منارۂ رسولؐ سے آنے والی صدا کیا کہتی ہے؟ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

● نام کتاب: ہندوستانی مسلمان، مصنف راشد شاذ، قیمت ۱۲/- روپئے، ملنے کا پتہ ٹی ٹائمز بلڈنگ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵، ملاحظہ فرمائیں پچاس سالہ ملی زندگی کا احتساب، ملک کی آزادی کے بعد مسلمانوں کی فکری اور عملی آزمائش، اور پچاس برسوں میں بیتے دردناک لمحوں کی خونچکاں داستان۔

● نام کتاب: دو ہفتے امریکہ میں، مصنف مولانا بدر الحسن قاسمی، قیمت ۳۵/- روپئے ملنے کا پتہ: دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد امریکہ میں اسلام کا فروغ • امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داری • سفر امریکہ کے تاثرات کتاب کے جلی عناوین ہیں۔

● نام کتاب: اسلام بیک نظر۔ مصنف سید باسط علی، قیمت ۲۴/- روپئے۔ ملنے کا پتہ: مینار بک ڈپو، چار مینار حیدر آباد کتاب میں اسلامی عقائد، عبادات مختصر سیرت رسول، اور مختصر تاریخ اسلام کو صاحب کتاب نے جمع کر دیا ہے۔

● تاجروں کے لیے نبوی ہدایات، مصنف مولانا کلیم اللہ قاسمی، قیمت ۱۵/- روپئے ملنے کا پتہ: مکتبہ الاصلاح لال باغ مراد آباد (یوپی)

کتاب میں کسب حلال کی اہمیت و ضرورت اور تجارت کی فضیلت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

mita Canon
Photocopy Machines
* High speed machine for large volume of work
* Zoom facility * Low copy cost
تمام ماڈلوں میں دستیاب
:- رابطہ قائم کریں :-
آر، ایو، خان "فاسٹ پرنٹ شاپ" ۳۲ ودھان سبھا مارگ حضرت گنج لکھنؤ (یوپی)
فون: ۰۵۲۲-۲۲۰۳۷۳
فیکس: ۰۵۲۲-۲۳۸۵۰۶
Ph. 0522-220373
Fax : 0522-238506

احسن القصص

مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مدظلہ

۲۶ر فروری ۱۹۹۹ء کو بنگلور میں منعقد ہونے والے "رابطہ ادب اسلامی" کے سیمینار میں "احسن القصص" کے عنوان پر مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب مدظلہ نے سورہ یوسف کی روشنی میں ایک گرانقدر مقالہ پیش کیا، مقالہ کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ہم اس مقالہ کو ہدیہ ناظرین کررہے ہیں۔ (ادارہ)

قرآن کریم کے قصے

قصص اور واقعات تاریخ انسانی کے لئے جہاں ایک طرف عبرت ناک داستانوں کی حیثیت رکھتے ہیں وہاں ہم انسانوں کی ہدایت کے لئے سامان بھی ان میں ملتے ہیں۔ ہم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات سے جہاں ایک طرف ہم سبق لیتے ہیں تو دوسری طرف آنے والے امور میں ہمیں کیا کرنا ہے اس کی روشنی بھی ملتی ہے۔

تم سے پہلے کے واقعات

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خوب فرمایا کہ ویھدیکم سنن الذین من قبلکم.

ترجمہ:-اور چلادے تم کو ان کے صحیح راستے پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ قصص اور واقعات کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ فاقصص القصص لعلھم یتفکرون.

ترجمہ:- بچے قصے کے احوال تم (ان سے) بیان کردو تاکہ وہ لوگ کچھ تو دھیان کریں۔

احسن القصص

لفظ "قصص" قرآن مجید میں اتنے رخ پر استعمال ہوا ہے کہ مجھ جیسے آدمی کے بیان سے باہر کی بات ہے۔ تاہم ۲۸ نمبر کی سورۃ شریفہ کا نام ہی سورۂ قصص ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ سورہ یوسف میں فرمایا کہ نحن نقص علیك احسن القصص بما اوحینا إلیك ھذا القرآن وإن کنت من قبلہ لمن الغفلین.

ترجمہ:- ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا ہے اس میں ہم ایک قصہ بیان کرتے ہیں جو بہت ہی عمدہ اور بہتر قصہ ہے اور اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے آپ کو بھی اس واقعہ کی خبر نہ تھی۔ اس مقالے میں ہم حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کا سہارا لیتے ہیں کہ:

حضرت محمد ﷺ نے کسی سے کچھ پڑھا نہیں۔ لکھنا پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ بقول قرآن کے:

وما کنت تتلو من قبلہ من کتب ولا تخطہ بیمینك، اس کے پہلے کسی کتاب کا پڑھنا بھی آپ نہیں جانتے تھے اور ہاتھ سے لکھنا بھی آپ کو نہیں آتا تھا۔

اس واقعہ سے بے خبر تھے

یہ حقیقت مکہ کے لوگوں کو بھی معلوم تھی اور یہود وعیسائی بھی اس سے باخبر تھے کہ حضرت محمدؐ نے کسی انسان سے کچھ پڑھا نہیں اور لکھنا بھی نہیں سیکھا اس لئے سوال کیا جس کا جواب دینا بڑے بڑے محقق اور تاریخ داں کے لئے آج بھی مشکل ہے۔ اور خود حضرت محمد ﷺ بھی اس واقعہ سے بے خبر تھے۔ جب قرآن میں اس کا بیان آیا تب واقف ہوئے۔ رد شرک اور دعوت توحید کے بہترین نمونے والی اعجازی دلیل بھی حضرت یوسفؑ کی زبان مبارک سے اس قصے کا خاص جزء بن گئی ہے۔

اللہ نے اس قصہ کو احسن القصص فرمایا۔ یہ نہایت ہی حیرت انگیز اور دردناک داستان ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے دنیا کے لحاظ سے دنیا وآخرت دونوں جگہ کیلئے کامیابی کا باعث ہے۔ اور یہ قصہ قرآن مجید میں صرف اسی سورۃ میں ایک ساتھ بیان ہوا اور کہیں نہیں۔

یہود کا ایک سوال

مشرک لوگ، وحی کتاب اللہ اور نبوت کی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں اسے لئے مکہ کے مشرکوں نے یہودی عیسائی عالموں سے مدد طلب کی کہ ہم کو کچھ ایسے سوال بتاؤ جو ہم محمدؐ سے پوچھیں جس کا جواب وہ دے نہ سکیں۔ تب یہود نے ایک سوال بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا وطن تو شام تھا پھر ان کی اولاد جو حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملی اور بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ مصر میں کیسے آگئی؟

یہود نے یہ سمجھ کر سوال بتایا کہ محمدؐ نے کہیں سے کچھ پڑھا نہیں ہے ان سے جواب نہیں بن پڑے گا تب اللہ نے سورۂ یوسف نازل فرمائی اور پورے جواب کے ساتھ ایک بہترین قصہ بھی عام لوگوں کی معلومات میں آیا۔

جتھے دار

حضرت یوسف علیہ السلام عمر میں چھوٹے تھے اور ان کے سگے بھائی بنیامین بھی

چھوٹی عمر کے تھے۔ یہ دونوں ایک ماں سے تھے۔ باقی نو بھائی دوسری ماں سے تھے۔ وہ سب عمر میں بڑے تھے۔ اور تعداد کے لحاظ سے ایک جتھے تھے۔ قبائلی زندگی میں جتھہ اور ٹولی زیادہ اہم تھی۔ لیکن حضرت یعقوبؑ کا پیار یوسفؑ اور ان کے سگے بھائی بنیامین کی طرف کچھ زیادہ تھا۔ محبت کا یہ جھکاؤ بڑے بھائیوں کو کھل گیا۔

بھائیوں نے یوسفؑ کو قتل کرنے یا جلاوطن کرنے کا فیصلہ کرہی لیا تھا اور اس پر عمل کرنے کی ترکیب سوچ رہے تھے۔ تب ان میں سے ایک نے کہا کہ ایسا کرکے بڑا گناہ مول لینے کے بجائے کسی گہرے گمنام کنویں میں ڈال دو۔

گمنام کنویں میں ڈالنا

مشورے کے مطابق حضرت یعقوب سے سیر وتفریح کے لئے حضرت یوسف کو ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کی۔ اور پھر لے جاکر انہیں گہرے کنویں میں ڈال دیا۔ واپس آکر والد سے بیان کیا کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھاگیا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ پر کنویں میں وحی فرمائی کہ واوحینا إلیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا وھم لا یشعرون ہم نے وحی سے یوسفؑ کو تسلی کردی کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ تم ان کو اس حرکت کی خبر دوگے جب کہ وہ تم کو پہچانتے بھی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد دوسرے دن شاید حضرت یوسفؑ کی خبر لینے صبح پھر آئے ہوں گے۔ اور قافلہ والوں کا پیچھا کرکے یوسفؑ پر اپنا حق جتارہے ہوں گے۔ اس اختلاف میں آخر یہ طے ہوا کہ اٹھارہ درہم یعنی اٹھارہ ماؤیاں۔ ماخوذ از موضح القرآن (تفسیر شاہ عبدالقادر صاحبؒ) کے مطابق آج کے حساب سے چار روپے پچاس پیسے میں بیچ ڈالا۔ ایسا قافلہ والوں کو یوسفؑ پر حق ملکیت حاصل ہوگیا۔ اور بھائی لوگ ساڑھے چار روپے لے کر چلتے بنے۔ اور نو بھائیوں نے دو دو پاؤلیاں تقسیم کرلیں۔ ایک بھائی نے کچھ نہ لیا ان کو قیمت لینے کی زیادہ فکر بھی نہیں تھی۔ صرف کسی طرح یوسفؑ کو اپنے باپ سے جدا کردینا مقصد تھا۔ جس بھائی نے کچھ بھی نہیں لیا۔ شاید وہ مشورہ کے وقت قتل کرنے سے منع کرنے والا ہوگا۔ جس نے کہا تھا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو بلکہ کسی کنویں میں ڈال دو۔

مصر کے بازار میں

معلوم ہوا کہ قافلہ والوں نے مصر کے بازار میں یوسفؑ کو بیچا اس زمانے میں آدمی کو خرید کر یا پکڑ کر یا جنگ میں ہاتھ آنے پر اسے غلام بنالیتے اور غلاموں کی نیلامی کے بازار لگتے۔

یوسفؑ کو مصر کے بازار میں حکومت مصر کے اعلیٰ افسر نے بھاری قیمت پر خرید لیا۔ جو بادشاہ کا مختار تھا اور اس کو اولاد نہیں تھی۔ اس طرح حضرت یوسفؑ کنویں سے نکالے جانے پر حکمت الٰہی کے تحت مصری حاکم کے دربار میں پہونچا دئے گئے۔ اور حکومت وسلطنت کے ماحول میں ایک بڑے راج محل میں خاندان کے ایک ممبر کی حیثیت سے ان کے پلنے اور رہنے کا بندوبست ہوگیا۔

راج محل

پورے درباری ماحول میں ان کی رہائش وسکونت کا اچھا خاصہ انتظام ہوگیا جب بھری جوانی کو پہنچے تو جیسا قرآن نے خود بیان فرمایا ہے۔

ولما بلغ اشدہ اتینہ حکما وعلما وکذلك نجزی المحسنین.

ترجمہ:-اور جب یوسفؑ اپنی بھری جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو دانشمندی اور علم عطا فرمایا۔ ہمارا تو یہ دستور ہے کہ نیکی کرنے والوں کو ہم خوب اچھی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔

عجب واقعہ

زندگی کے اس دور میں ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس گھر میں یوسف علیہ السلام کی پرورش ہورہی تھی وہ عزیز مصر کا راج محل تھا۔ عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہوئی۔ موقع بہ موقع یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ راج محل کے کسی کمرے کا دروازہ بند کرکے حضرت یوسفؑ سے کہا آجا، جو کچھ ہے سب تیرے لئے ہے۔

حضرت یوسفؑ بہت پریشان ہوئے اور کمرے سے باہر نکلنے کیلئے دوڑے، بیگم عزیز بھی پیچھے دوڑی کہ ان کا کرتہ پکڑلیں۔ حضرت یوسفؑ کسی طرح اس کی خواہش پوری کرنے کو راضی نہیں ہوئے۔ فرمایا معاذ اللہ إنہ ربی احسن مثوای اللہ کی پناہ وہ میرا رب ہے مجھے اس نے اب تک اچھی طرح رکھا ہے۔ آگے قرآن نے کہا ولقد ھمت بہ۔ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ ارادہ کرلیا تھا وھم بھا لولا ان را برھان ربہ۔ اور یوسفؑ نے اگر اپنے رب کی دلیل اور حجت کو دیکھا نہ ہوتا تو ان کا بھی ارادہ ہوجاتا۔

لیکن اللہ کی مدد اور اس کی نصرت کا سایہ تھا۔ اس لئے ایسا نہیں بلکہ اللہ نے ان کو بے حیائی کے کام سے بچالیا۔ آگے آگے یوسفؑ پیچھے پیچھے عزیز مصر کی بیوی، اس دوڑ بھاگ میں عزیز مصر کی بیوی نے پیچھے سے یوسفؑ کا کرتہ کھینچا تو کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔ اب جیسے ہی دونوں دروازے کے پاس پہنچے۔

نشہ اتر گیا

اور دروازہ جو کھلا تو بیگم عزیز نے شوہر کو دروازے پر کھڑا پایا۔ بس کیا تھا عشق کا سارا نشہ اتر گیا۔ بات بڑی خطرناک اور گمبھیر ہو گئی تھی۔

بیگم عزیز نے خود کو اپنے شوہر کے سامنے سرخرو اور بے خطا ثابت کرنے کے لئے بوکھلاہٹ میں کہا کہ تمہاری بیوی کے ساتھ جو برائی کا ارادہ کرے اسے جیل بھیجنا چاہئے یا کوئی اور سخت سزا دینی چاہئے؟ مصر کے وائے سرائے کی کنگ کو تھی پر اس واقعہ کا تذکرہ جاری ہوا۔ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے ایک سمجھ دار آدمی نے جو بات کہی وہ قرآن میں اس طرح ہے وشهد شاهد من اهلها ان كان قميصه قدمن قبل فصدقت وهو من الكذبين وان كا قميصه قدمن دبر فكذبت وهو من الصدقين فلما راقميصه قدمن دبر قال انه من كيدكن ان كيدكن عظيم(۲۸۔۲۶/۱۲)

ترجمہ:- اور اسی وقت عورت کے رشتہ داروں میں سے ایک گواہی دینے والے نے گواہی دی کہ اگر یوسفؑ کی قمیص آگے سے پھٹی ہو تو یہ عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ (یوسفؑ) سچا ہے۔ جب عزیز مصر نے دیکھا کہ یوسفؑ کی قمیص تو پیچھے سے پھٹی ہے تب بولا کہ تم عورتوں کا یہ فریب ہے۔ بیشک تمہاری چالاکیاں بڑی غضب کی ہوتی ہیں۔

"إن كيدكن" میں جمع کی ضمیر سے مرد کے غصہ کی شدت کا اظہار ہوتا ہے گویا اس کی بیوی کی کجروی نے صرف اس کو ہی نہیں بلکہ جنس عورت کو اس کی نگاہوں میں فریب کار اور مکار بنا دیا تھا اس کی یہ بات کہ "تم عورتوں کا فریب بڑا زبردست ہوتا ہے" عزیز مصر کا قول ہے قرآن کا اپنا بیان یا اصول نہیں بلکہ قرآن نے تو شاہ مصر کے نائب کا قول جو قصہ کا ایک جزء ہے نقل کیا ہے۔

بیگمات کی دعوت

بڑے گھرانے کی بیوی کا معاملہ تھا، گھر کے گھر میں رفع دفع کرنے کے لئے راج محل میں ہی بڑے بوڑھوں نے بیچ بچاؤ میں یوسفؑ کو سمجھایا کہ اب جانے دو۔ جو کچھ تہمت تم پر لگی اس میں تم بے قصور ہو۔ اور عورت سے کہا گیا کہ معافی مانگ کر بات ختم کر دی جائے۔

لیکن ایسی بات چھپتی نہیں۔ بیگم خود عزیز کی بدنامی کے چرچے خوب پھیلے کہ یہ تو اپنے غلام پر عاشق ہے۔ یہ سن کر اس نے مصر کی بڑی بڑی بیگمات کے لئے دعوت کا انتظام کیا۔ عین کھانے کے موقع پر بھی مجلس میں جبکہ گدّے تکیوں پر مہمان عورتیں چھری کانٹوں سے کھانے میں مصروف تھیں۔

چھری کانٹوں کا رواج

حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا ذرا ان کے سامنے گزر جاؤ۔ جیسے ہی یوسفؑ ان کے سامنے سے نظریں نیچی کئے ہوئے گذرے۔ ان بیگمات نے مارے حیرت کے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے۔ معلوم ہوا کہ مصری تمدن میں آج سے ہزاروں سال پہلے کھانے میں چھری کانٹوں کا رواج ہوگا۔

اب تک یوسفؑ پر صرف بیگم عزیز ہی عاشق تھی۔ لیکن اب تو بڑے گھر کی بیگمات بھی حضرت یوسفؑ کے پیچھے پڑ گئیں۔ اس لئے یوسفؑ نے دعا کی کہ کہیں ان کے فریب میں آ گیا تو نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ یہاں سے چھٹکارا ملے تو جیل خانے میں زیادہ عافیت ہوگی کہ گناہ سے تو بچ جاؤں گا؟

بڑے گھرانے کی عورتیں

معلوم ہوتا ہے کہ بیگم عزیز اور مصر کے پایہ تخت کے بڑے گھرانے کی عورتیں حضرت یوسفؑ پر عاشق ہو کر شاید دیوانگی کی حرکتیں کرنے لگی ہوں۔ جیسے آہیں بھرنا اور عشقیہ گیت گانا وغیرہ تب حکموں کو یہ سوجھا کہ بڑی بڑی بیگمات کو بدنامی سے بچانے اور یوسف علیہ السلام کو ان کی نگاہ سے ہٹا کر قید میں ڈال دینا ہی اس مصیبت کا علاج ہے کسی کہنے والے نے خوب کہا ہے کہ : ؎

نرالی ہے عدالت، مدعی خود جس کے قاضی ہیں
یہاں جو بے خطا نکلے اسے چھوڑا نہیں کرتے
تیغ منصف ہو جہاں، دار و رسن ہوں شاہد
بے خطا کون ہے اس شہر میں قاتل کے سوا

یوسفؑ قید خانے میں

جیل خانہ میں سب چور، بدمعاش، ڈاکو اور مجرم ہی نہیں ڈالے جاتے بلکہ قانون کی کمزوری، انسانی علم کو کمی اور منصف کی نادانی یا حاکم کے ظلم سے بہت سے بے گناہ بھی جیل میں ڈال دئے جاتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ جب قید میں تھے تو دو ملزم اور بھی داخل ہوئے ان میں سے ایک بادشاہ کا شراب ساز تھا۔ اور دوسرا نان بائی یعنی باورچی خانہ کا ذمہ دار تھا۔ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دے کر مار ڈالنے کا الزام تھا۔

معلوم ہوا کہ مصری حکومت نے جیل خانے میں قیدیوں کو کھانا دینے کا انتظام بھی رکھا تھا۔ اور آج تک یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ جیل خانے میں قیدیوں کو کھانا دینے کا وقت مقرر ہوتا ہے۔

داعی کی حکمت عملی

پھر یوسفؑ سے دو قیدیوں نے جب اپنے خواب بیان کئے اور تعبیر پوچھی تو اول حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں تسلی دی اور کہا کہ کھانے کے وقت جب جیل کے کارکن تمہارے لئے کھانا لائیں گے۔ اس سے پہلے میں تمہارے خواب کی تعبیر بتا دوں گا۔ تعبیر اسی وقت اس لئے نہیں بتائی کہ حضرت یوسفؑ ان کو پہلے پہل اللہ تعالیٰ کی توحید کا درس دینا چاہتے تھے، تاکہ ایمان لانے کے لئے ان قیدیوں کو ذہنی طور پر تیار کیا جا سکے اور بعد میں خواب کی تعبیر بتا دی۔

اس طرح بڑی حکمت سے حضرت یوسفؑ نے اللہ کی توحید کی انہیں معرفت کرا دی اور شرک کی گندگیوں اور غیر اللہ کی بندگی سے انسانیت کا جو نقصان ہے۔ اس سے واقف کرا دیا۔ آگے کی آیتیں ہر زمانے کے داعی حق کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کیلئے ایک پر حکمت نمونہ ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش فرمایا۔

ملت ابراہیم کا داعی

کنویں میں ڈالے جانے سے لیکر جیل خانے کی زندگی تک حضرت یوسفؑ نے پہلی بار اپنا تعارف کرایا کہ میں ملت ابراہیم کا داعی ہوں۔ اور اس دعوت کو میرے دادا اسحاق علیہ السلام اور باپ یعقوب علیہ السلام بھی برابر جاری فرماتے رہے۔

کسی انسان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بتلائے اور لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ اللہ نے انہیں اپنے سوا کسی کا بندہ نہیں بنایا اور شرک سے منع کر کے اللہ کے سوا تمام کی بندگی سے چھٹکارا دلایا۔ اتنے بڑے فضل پر بھی انسان شکر نہ کرے تو اس کی بدنصیبی کہی جائے گی۔ آج بھی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور تنہا اس کی بندگی سے کتراتے ہیں وہ ہزاروں ہزار خیالی معبودوں کے چکر میں شرک کی گندگی میں لت پت ہیں۔ حضرت یوسفؑ کی وہ دعوتی تقریر جو انہوں نے قید خانے کے ماحول میں جیل کے اپنے ساتھیوں کے سامنے کی۔ ہم چاہیں گے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں جوں کا توں اس کو نقل کریں اس لئے کہ بڑی حسین اور پر لطف عبارت ہے۔ يصاحبي السجن ءارباب متفرقون خير ام الله الواحد القهار ما تعبدون من دونه إلا اسماء سميتموها انتم واباء نكم ما انزل الله بها من سلطن ان الحكم إلا لله امرا الا تعبدوا إلا إياه ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون.(۴۰۔۳۹/۱۲)

ترجمہ:- قید خانے کے اے میرے ساتھیو! بہت سے الگ الگ رب کو ماننا اچھا یا ایک اکیلے اللہ کو ماننا اچھا جو ہر طرح سے زبردست معبود ہے؟ یہ جو اللہ کے سوا تم دوسروں کی عبادت کرتے ہو یہ سب نام ہی نام ہیں جو تم نے گڑھ لئے ہیں اور تمہارے باپ داداؤں نے بھی یہی کچھ کیا تھا جس پر اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری خبردار ہو جاؤ کہ حکم تو صرف اکیلے اللہ کا ہے اور اسی نے یہ حکم دیا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی بھی بندگی نہ کرو، یہی دین ہے جس سے مضبوط بندوبست قائم ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ اس سیدھی بات کو نہیں جانتے۔

خواب کی تعبیر

حضرت یوسفؑ نے پہلے تو قید خانے کے اپنے رفیقوں کو خالص توحید کی دعوت دی اور بعد میں ان کے خوابوں کی تعبیر بھی نہایت اچھے انداز میں حکمت کے ساتھ بتا دی۔ لیکن یہ نہ کہا کہ تو بادشاہ کی ملازمت پر برقرار رہے گا۔ اور تجھ کو پھانسی دی جائے گی۔ یہ قرآن کا خاص اعجاز ہے جیسا کہ آگے درج شدہ آیت میں آپ پڑھیں گے۔ اما احدكما فيسقى ربه خمرا واما الاخر فيصلب فتاكل الطير من راسه(۴۱۔۱۲)

ترجمہ:- تم دونوں میں سے ایک اپنے آقا کو شراب پلانے کی ملازمت پر رہے گا اور دوسرے کو پھانسی دی جائے گی۔ پھر پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھا جائیں گے۔

یہ ہوئی خواب کی تعبیر، ساتھ ہی حضرت یوسفؑ نے ان دونوں کو تعبیر بتانے کے بعد اشارہ دے کر اس شخص سے فرمایا جس کے بارے میں تعبیر بتا دی تھی کہ تجھکو نجات مل جائے گی۔ کہ بادشاہ کے پاس جا کر میرا تذکرہ کرنا۔

تدبیر کے بعد بھی کئی برس جیل میں

وقال للذى ظن انه ناج منهما اذكرنى عند ربك فانسه الشيطن ذكر ربه فلبث فى السجن بضع سنين(۴۲۔۱۲)

ترجمہ:- حضرت یوسفؑ نے ان دونوں میں سے اس شخص سے جس کے بارے میں ان کو گمان تھا کہ یہ نجات پا جائے گا یوسفؑ نے فرمایا اپنے آقا کے پاس میرا تذکرہ کرنا مگر اس نجات پانے والے آدمی کو شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ وہ بادشاہ کے پاس یوسف کا تذکرہ کرے بس پھر کیا تھا کئی برس یوسفؑ اور بھی جیل میں رہے۔

مؤثر طریقہ

حضرت یوسف کی اخلاقی تعلیم کی ایک مؤثر طریقہ سامنے آیا۔ دوسری بات یہ سمجھنے کی ہے کہ شاید اہل مصر ممبروں کو پھانسی دینے کے

بعد ان کی لاشوں کو وارثوں کے حوالے نہ کرتے ہوں گے۔ بلکہ کسی میدان یا جنگل میں پھینک دیتے ہوں گے۔ تاکہ مجرموں کی لاشوں کو چیل کوّے اور گدھ وغیرہ نوچ نوچ کر کھا جائیں۔

بادشاہ کا حیرت انگیز خواب

ادھر بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ سات موٹی تگڑی گائیں ہیں جنہیں دبلی پتلی گائیں کھا جاتی ہیں۔ اور اناج کی سات بالیاں ہری ہیں اور دوسری سات بالیاں سوکھی ہیں۔ اے اہل دربار! اگر تم خواب کی تعبیر کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہو تو میرے اس خواب کا خلاصہ بتاؤ؟

دربار کے لوگ بولے! پریشان خیالات آنے سے ایسا ہوا ہوگا۔ اور ہم پریشان خیالی کی تعبیر کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ جیل خانہ کے دونوں قیدیوں میں سے جو رہائی پا گیا تھا اور اسے بڑی مدت کے بعد یوسفؑ کا خیال آیا وہ بول پڑا کہ میں تمہیں اس خواب کی خبر لا کر دے سکتا ہوں۔ مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دی جائے، جیل میں پہنچ کر اس نے حضرت یوسفؑ کو آواز دی کہ اے میرے سچے دوست! ہمیں ایک خواب کا خلاصہ بتایئے کہ سات گائیں ہیں خوب موٹی تگڑی اور ان کو سات دبلی اور مریل گائیں کھا گئیں۔ اور سات بالیاں ہیں سبز ہری بھری اور دوسری سات سوکھی سوکھی (آپ اس خواب کی تعبیر بتلادیں) تاکہ لوگوں کے پاس جلد جا کر بیان کروں کہ ان لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے۔

دانشمندانہ جواب

یوسفؑ نے اس کی بات سن کر خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ تمہیں سات سال تک مسلسل خوب محنت کے ساتھ کھیتی باڑی کرنا ضروری ہوگا۔ پھر تم جو اناج کاٹو اس کا ذخیرہ بالیوں میں ہی میں جمع رکھنا۔ مگر کھانے کے لئے جو گے اسے تھوڑا تھوڑا ہی استعمال کرنا۔ پھر اس کے بعد سات سال سخت آویں گے جن میں بہت بڑا قحط پڑے گا اور ایسا ہو سکتا ہے کہ پہلے سات سال میں جو ذخیرہ تم نے جمع کر رکھا ہوگا آنے والے دوسرے سات سال میں جس میں اناج کی بھاری تنگی ہوگی وہ سارا ذخیرہ کھا کر برابر کر دیں گے۔ مگر بیج کیلئے تھوڑا بچا کر رکھ لو تو بہتر ہے۔

انتظامی تدبیر

خواب کی ایسی بھاری انتظامی تدبیر کی بات سن کر پوچھنے والے کیلئے ممکن نہیں رہا کہ اس تعبیر کو وہ اپنی شخصیت کو نمایاں کرنے کے لئے استعمال کر سکے۔ مجبوراً اسے بادشاہ کے حضور بھرے دربار میں خواب کی تعبیر بتا کر حضرت یوسفؑ کا تعارف کرانا ضروری ہو گیا۔

اپنی خواب کی تعبیر سن کر بادشاہ نے فوراً حکم جاری کیا کہ:

وقال الملك ائتونی به فلما جاء ه الرسول قال ارجع إلى ربك فسئله ما بال النسوة التی قطعن ایدیهن إن ربی بکیدهن علیم (۱۲/۵۰)

ترجمہ:- بادشاہ نے فوراً حکم جاری کیا کہ یوسفؑ کو میرے پاس لے آؤ۔ بس جیسے ہی بادشاہ کا قاصد یوسفؑ کو دربار میں لانے کے لئے جیل خانے پہنچا۔ یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال بنا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر زخمی کر لئے تھے۔ بیشک میرا پروردگار ان کے فریب کو خوب جانتا ہے۔

آسمانی کتابوں پر تحقیق کرنے والے اہل علم کے لئے مختصر سی تفصیل انشاء اللہ نافع ہوگی کہ اس واقعہ کا تھوڑا سا ذکر بائبل میں بھی ہے وہاں آپ کو یہ بیان ملے گا کہ جیسے ہی بادشاہ کا حکم لے کر کارکن جیل پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے سر مونڈوایا نئے کپڑے پہنے اور بادشاہ کے دربار میں جا کر اسکو سجدہ کیا۔ توبہ۔ توبہ! یہود نے اللہ کی کتاب میں کیسی کیسی ہیرا پھیری کی ہے اس کی واضح دلیل آپ کو یہاں ملے گی جبکہ قرآن کہتا ہے کہ:- (جاری)

سہل اسلوب دلنشیں ترتیب کے ساتھ
اصول فقہ بزبان عربی
الموجز فی اصول الفقہ
تالیف: محمد عبید اللہ الاسعدی
مطبوعہ:- دار السلام قاہرہ
صفحات:- ۳۵۰، قیمت ۲۵/- روپئے
-:ملنے کا پتہ:-
• المکتبۃ الندویہ ندوۃ العلماء لکھنؤ
• مکتبہ دار الایمان نزد مظاہر علوم جدید سہارنپور

عمدہ کاغذ، رعایتی قیمت، بہترین سائز۔
NOTE BOOK
حرمین
اردو کاپی
-:ملنے کا پتہ:-
مکتبۃ الحرمین مسجد مرکز والی ڈاکٹر بی این در مارگ
امین آباد لکھنؤ۔
مذکورہ بالا پتے سے تعمیر حیات جاری کرا کے رسید حاصل کر سکتے ہیں۔ صبح ۹ بجے سے رات ۸ بجے تک
فون نمبر: ۲۱۷۹۵۶

خط و کتابت کرتے وقت
خریداری نمبر اور اپنا پتہ
صاف اور خوش خط تحریر فرمائیں (ادارہ)

پالن پور گجرات کے ایک مثالی مصلح
مولانا محمد نذیر صاحب پالنپوری رح

مولانا عبد القادر پٹنی ندوی استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بچپن میں جب کچھ شعور پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے اردگرد کے ماحول کو غور سے دیکھنے لگتا ہے اور کچھ چیزیں خاص طور پر اس کی توجہ اپنی طرف کھینچتی ہیں اور وہ ان سے متاثر ہوتا ہے، بالخصوص وہ چیز اگر بجائے بے جان چیز کے کوئی انسانی شخصیت ہو تو اس کے دل میں اس کی محبت و عقیدت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور یہ محبت و عقیدت بعض دفعہ ایک سے متجاوز ہو کر پوری فضا میں عام ہو جاتی ہے اور گویا وہ ارشاد خداوندی "اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" بیشک جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اعمال صالحہ کے پابند ہوتے ہیں اللہ ان کی محبت کو عام فرما دیتے ہیں، کا مصداق بن جاتی ہے۔

بچپن میں ہم نے اپنے اردگرد کے ماحول میں جن شخصیتوں کی بہت زیادہ محبت و عقیدت عام دیکھی ان میں ایک اہم شخصیت مولانا محمد نذیر صاحب پالنپوری کی تھی، جو ہمارے قصبہ بلٹن سے شمالی مشرق میں پچاس کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع مسلم ریاست پالنپور کے صدر مقام پالنپور میں جلوہ افروز تھے، وہیں ان کا مولد و منشا تھا اور وہیں مطب و مدرسہ بھی، اور ہر دو درحقیقت ایک دعوتی و تربیتی مرکز تھے۔

مولانا محمد نذیر صاحب جو زیادہ تر مولانا نذیر میاں صاحب کے نام سے معروف تھے کون تھے؟ انھوں نے کیا خدمات انجام دیں؟ ان کے اثرات اس ماحول پر کیا پڑے؟ واقعہ یہ ہے کہ کم ہی لوگ اس سے واقف ہیں، اگرچہ ان کے صاحبزادہ مولانا عبد القیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح نذیری کے عنوان سے ایک کتاب اپنی زندگی کے آخری ایام میں لکھی لیکن بعض اسباب کی بنا پر وہ کچھ زیادہ عام نہ ہو سکی، البتہ بعض اہل خیر نے کچھ نسخے خرید کر لوگوں میں تقسیم کئے، ان میں سے ہمارے مخلص و محترم جناب مولانا شمس الحق صاحب ندوی ایڈیٹر "تعمیر حیات" بمبئی نے فرمایا جس کی وجہ سے مولانا موصوف میں ان کی حیات پر کچھ لکھنے کا داعیہ پیدا ہوا، لیکن فرصت کے انتظار میں وقت گذرتا گیا بالآخر اس راقم آثم سے کہا کہ بھائی ہماری اس خواہش کی تکمیل آپ ہی کر دیجئے کہ آپ کا وطنی تعلق بھی ہے اور مجھے خود اس موضوع پر لکھنے کا خیال تھا اس پر مولانا کی فرمائش نے مہمیز کا کام کیا۔

مولانا نذیر میاں صاحب عربی النسل قریشی صدیقی تھے، ان کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی اور کشمیر پہونچ کر سکونت پذیر ہو گئے۔

مولانا کے جد امجد شیخ محمد اکبر صاحب جن کی شخصیت کے بارے میں زیادہ معلومات تو نہیں حاصل ہو سکیں لیکن جو کچھ معلوم ہوا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب علم اور دیندار آدمی تھے، اس دینداری کے جذبہ سے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا اور کسی طرح بمبئی پہونچ گئے لیکن یہاں پہونچ کر وہ ایسے شدید بیمار ہو گئے کہ آگے سفر کا کوئی امکان نہ رہا، مجبوراً واپسی کا ارادہ کیا اور گجرات ہوتے ہوئے دہلی کا راستہ اختیار کیا۔

راستہ میں جہاں گجرات کے حدود ختم ہو کر راجستھان کی سرحد لگتی ہے پالنپور پڑتا ہے، پالنپور اس وقت مسلم ریاست تھی، اور اس کے والی اگرچہ مہدوی مذہب کے پیرو تھے مگر علم اور اہل علم کی قدردانی جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے ان میں بھی تھی، غالباً یہی چیز شیخ محمد اکبر صاحب کے یہاں قیام پذیر ہو جانے کا سبب بنی، اور شیخ محمد اکبر صاحب نے یہاں شادی کر کے اپنا وطن بنا لیا۔

شیخ محمد اکبر صاحب نے دینداری اور علم و فضل کی وجہ سے عوام و خواص کی نظروں میں ایک مقام پیدا کر لیا اور اپنے اس مقام سے انھوں نے دین کی خدمات انجام دینے میں فائدہ اٹھایا۔ ایک مسجد بنوائی اور تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی شروع کیا اللہ تعالیٰ نے شیخ صاحب کو تین لڑکے اور تین لڑکیاں بھی نصیب فرمائیں اور شیخ صاحب نے ان سب کو باقاعدہ اپنی تعلیم دلوائی۔ ان میں سے ایک جن کا نام عبد القادر تھا ان کو باقاعدہ مولوی و حکیم بنایا، اور انھوں نے شیخ صاحب کے بعد گویا صحیح معنیٰ میں ان کی جانشینی کی۔

مولانا حکیم عبد القادر صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد لڑکے اور لڑکیاں عنایت فرمائیں اور آپ نے بھی جملہ اولاد کو علم اور دینی تربیت کے زیور سے آراستہ کیا، لڑکوں میں مولوی حامد میاں، مولوی محمد نذیر اور مولوی محمد اکبر تینوں

ماشاء اللہ عالم و فاضل ہوئے۔ اس وقت ہمارے پیش نظر انہی مولوی محمد نذیر صاحب کا مختصر سوانحی خاکہ ہے۔ مولانا محمد نذیر صاحب یکم رمضان المبارک ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔

ابتدا ہی سے گھر میں دینی، علمی، ماحول پایا۔ جس کی وجہ سے آپ میں بھی ان دونوں خصوصیتوں کو حاصل کرنے کا جذبہ و حوصلہ پیدا ہوا، اور بڑی محنتوں و جانفشانی کے ساتھ گھر ہی میں تعلیم حاصل کرنا شروع کیا، اور فقہ کی کتاب کنز الدقائق اور اس سکلہ کی دیگر فنون کی کتابوں کی تعلیم کے بعد والد صاحب نے آپ کو مزید تعلیم کے لئے دہلی بھیجنے کا قصد کیا، اس وقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی، دہلی میں پہلے مدرسہ حسین بخش میں، اور کچھ مدت بعد مدرسہ عبدالرب میں بقیہ علوم و فنون کی تکمیل کی۔ اس کے بعد طب وغیرہ کچھ مزید علوم و فنون کی تعلیم کے لئے آپ نے اس عہد کی ایک مشہور درس گاہ مدرسہ خلیلیہ ٹونک صوبہ راجستھان کا عزم کیا۔ یہ مدرسہ اس وقت حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات رح کی وجہ سے ترقی کے بام عروج پہ تھا۔ مولانا محمد نذیر صاحب ان تینوں مدارس میں اساتذہ اور اہل مدرسہ کے منظور نظر رہے۔ اسی وجہ سے تینوں جگہ سے فراغت کے بعد تدریسی خدمات کا مطالبہ ہوا۔ لیکن مولانا کو اللہ تعالیٰ کسی اور ہی کام کے لئے پیدا کیا تھا اسی لئے اسباب کچھ اس قسم کے بنے کہ مولانا کو پانپور ہی آنا پڑا۔

مولانا نے طالب علمی کا دور معاشی تنگی کے باوجود بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ علم کی تحصیل میں گذارا، اور زمانہ طالب علمی ہی سے علم کے ساتھ، زہد و تقویٰ، اور اصلاحی مزاج میں مشہور تھے۔ چنانچہ چھٹی کے اوقات میں دہلی کی مساجد میں جاکر وعظ کہنے کا معمول تھا۔ یہی دونوں چیزیں علم اور دعوت و تبلیغ اور اصلاح امت کا داعیہ آگے چل کر مولانا کی ترقی و شہرت کا ذریعہ بنیں۔

۱۳۲۱ھ میں مولانا نے دہلی میں تعلیم سے رسمی فراغ حاصل کیا۔ دو تین سال کا عرصہ ٹونک میں گذارا، اور تقریباً ۱۳۲۵ھ کے آس پاس آپ علم و تقویٰ، اور دعوتی، اصلاحی تجربہ کے اسلحہ سے لیس ہو کر اپنے وطن عزیز پالن پور تشریف لائے چونکہ مولانا کے والد صاحب کا دوران طالب علمی ہی میں انتقال ہو گیا تھا، اس لئے آپ کو وہ جملہ ذمہ داریاں سنبھالنی پڑیں۔ جو والد صاحب سے متعلق تھیں، ذریعہ معاش والد صاحب کے انتقال کی وجہ سے منقطع ہو چکا تھا، بھائی چھوٹے تھے، خود اپنی شادی و ازدواجی زندگی کے مسائل بھی درپیش تھے، اور ان سب کو علم و تقویٰ کی حدود میں رہ کر دعوتی و اصلاحی فریضہ کو انجام دینا تھا، اس لئے یہ بہت نازک اور بڑا عظیم کام تھا، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے مولانا کے لئے آسان فرمادیا۔ اور سر میدان میں باوجود شدید مخالفتوں، ناسازگار حالات کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بالخصوص اصلاحی کام میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت عطا فرمائی کہ گویا ایک مردہ قوم کو مولانا کی مساعی سے حیات نو حاصل ہو گئی۔

جیسا کہ پہلے گذر چکا، پالن پور ریاست کا والی مذہبا مہدوی تھا اور اس کے اردگرد کا حلقہ بھی زیادہ تر مہدوی، شیعہ، اور جاہل بدعتی پیروں کا تھا، جب والی ریاست گمراہ ہو اور اس کے اردگرد کا حلقہ اس قسم کے لوگوں کا ہو تو رعایا پر جو اثرات ہو سکتے ہیں ظاہر ہے۔ پالنپور اس کا ہر طرح مظہر تھا۔

شہر کا تو یہ حال تھا کہ عربی، فارسی تو دور کی بات ہے اردو پڑھا لکھا بھی مشکل سے ملتا تھا۔ اور سنی عوام بھی بس نام کے سنی تھے، ورنہ وہ سب کچھ کرتے تھے جو ایک شیعہ کر سکتا ہے۔ یہ حال تو شہر کا تھا۔ رہا دیہاتوں کا معاملہ تو وہ بھی ایک دردناک داستان ہے۔

اس علاقہ کے دیہاتوں میں ایک ایسی قوم آباد تھی، جس کو آٹھویں صدی میں سید کبیر الدین حسن نامی ایک بزرگ کے ذریعہ اسلام کی دولت حاصل ہوئی، چنانچہ اس وقت سے یہ قوم اپنے آپ کو مسلمان کہتی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے انہی شیخ کبیر الدین کی اولاد میں بعد کو کچھ لوگ شیعہ ہو گئے اور دنیا پرستی کی ایسی راہ اختیار کی کہ اس نو مسلم قوم سے صرف مشیخت کے ٹیکس اصول کرنے اور دینی رسوم میں اپنی اجارہ داری کا تعلق باقی رہ گیا تھا، باقی تعلیم و تربیت وغیرہ جیسی کسی بات کا شاید ان کو خیال بھی نہ آتا ہو۔ اس وجہ سے ان دیہات کے باشندوں میں شیعیت کے ساتھ اپنے ہم وطن قوم کے جملہ مشرکانہ عقائد و اعمال عام ہو گئے تھے، حتیٰ کہ تقریبات میں علی الاعلان ان کے رسوم کی ادائیگی ہوتی تھی، اور نہ اس پر کوئی ٹوکنے والا تھا اور نہ برا سمجھنے والا، یہ قوم "مومنہ" یا مومن برادری کے نام سے موسوم تھی، جن کا بیشہ علی العموم کاشتکاری تھا، اور اس کاشتکاری کی وجہ سے دن رات کی ایسی مشغولیت کہ اس کے علاوہ کسی اور بات کا سوچنا بھی ان کے لئے مشکل تھا۔

اسی کے ساتھ شیعیت کا بھی دور دورہ تھا، پوری برادری علی العموم بنیوں کی مقروض تھی اور سودی قرض کی وجہ سے الجبن اس ظلم و استحصال کے عمیق غار میں گرتی جا رہی تھی، ایسے حالات میں مولانا کے لئے اصلاح کا کام کرنا کس قدر شوار تھا، لیکن مولانا نے اپنی محنت کے لئے تعلیم و دعوت و اصلاح کے میدان کا انتخاب فرمایا اور اس کے سرکرنے میں وہ سب کچھ کیا جو ایک سرفروش،

پرجوش گرما ہوش دامی کر سکتا ہے۔

اس قوم کی اصلاح کے لئے امید کی کرن البتہ ضرور باقی تھی، جس سے مولانا نے خوب خوب کام لیا۔ وہ یہ کہ وہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور ایک کتاب کو محرم اور سال کے خاص خاص موقعوں پر بڑی عقیدت، محبت اور احترام سے پڑھتے تھے۔

یہ کتاب کیا تھی، ایک نوشتہ رحمت تھا۔ جو داعی اول کی نسل میں سے کسی مخلص عالم نے اس قوم کے مزاج کے مطابق مقامی گجراتی زبان میں لکھی تھی۔ جس میں عربی، فارسی، ہندی سبھی زبانوں کی آمیزش تھی، کتاب نثر کے بجائے نظم میں تھی، اور ایک خاص انداز سے پڑھی جاتی تھی۔ اس میں اہل سنت والجماعت کے عقائد، ارکان اربعہ کے فضائل و مسائل، سیرت، اور خلافت راشدہ بلکہ اس کے بعد کے اسلامی تاریخ کے اہم واقعات تک شامل تھے۔

مولانا نذیر میاں صاحب نے اصلاح کے لئے سب سے زیادہ ضروری علم کی اشاعت کو سمجھا۔ چنانچہ اس کے لئے عربی مدرسہ خود اپنی مسجد میں قائم فرمایا۔ جو اگرچہ زیادہ مشہور نہیں ہوا لیکن اس سے اشاعت علم کا بڑا کام ہوا، اور اس سے فارغ ہونے والے علماء کی ایک بڑی تعداد کو مولانا نے مدرس بنا کر دیہاتوں میں بھیج کر مکاتب کا جال بچھا دیا اور خود شہر میں بھی جگہ جگہ مکاتب قائم فرمائے۔

دوسری طرف مولانا نے اطراف میں اصلاحی دوروں کا سلسلہ شروع کیا، اور جگہ جگہ جاکر ان کی اس محبوب کتاب دیوان شیخ کو "کلموا الناس علی قدر عقولھم" کے اصول پر سمجھانا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے لوگ حقیقت کو سمجھنے اور راہ راست ان کے سامنے واضح ہو گئی۔ یہ وہ دور ہے کہ ہر جگہ نرمی سے ہی جایا جا سکتا تھا، نہ بس میں ہی فراہم تھیں۔ اس لئے مولانا زیادہ تر پیدل سفر فرماتے، یا پھر اس مقصد کے لئے ایک اونٹ پال رکھا تھا اس سے کام لیتے۔

مولانا کی ان مساعی سے لوگوں کو بڑا فیض پہونچ رہا تھا، اور دن بہ دن جاہلی زندگی سے توبہ کر کے نئی ایمانی زندگی کو اپنانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لیکن یہ صورت حال جس درجہ میں اہل حق کے لئے فرحت افزا اور خوش آیند تھی، اس سے کہیں زیادہ باطل پرستوں کے لئے باعث افسوس اور خطرہ کی گھنٹی تھی۔ اس لئے ان کی پوری کوشش حق کے اس چراغ کو جلدے جلد بجھا دینے میں صرف ہونے لگی۔ کیونکہ علم و دین کی اس روشنی کے بعد جس کو مولانا پھیلا رہے تھے۔ مکاری و فریب کاری کا پردہ چاک ہونا یقینی تھا۔ جس کے بعد نہ مشیخت رہ سکتی تھی، اور نہ وہ آمدنی کے ناجائز ذرائع جو انھوں نے اپنا رکھے تھے۔ چنانچہ ان باطل پرستوں نے اس چراغ کو بجھانے کی ہر وہ کوشش کر ڈالی جو ان کے بس میں تھی۔

جان سے مار ڈالنے کی دھمکی، شہر بے جلا وطنی کی کوشش، مولانا کے رفقاء اور ساتھ دینے والوں کا ہر طرح سے سماجی بائیکاٹ، غنڈوں اور آوارہ لوگوں کے ذریعہ گالی، گلوچ، الغرض جتنا کچھ ہو سکا کر گذرے۔ مگر اللہ کا یہ مخلص بندہ اپنی دھن میں مست رہا، اور اپنے لچکدار مگر ٹھوس اصول دعوت پر کاربند رہ کر میدان میں جما رہا یہاں تک کہ خداوند قدوس نے اپنے اٹل قانون کے مطابق کامیابی و کامرانی کو قدم چومنے پر مجبور کر دیا۔

مولانا کی ان مخلصانہ اور مجاہدانہ دعوتی کوششوں نے اس قوم کو جس کا نام جہالت، گنوارپن میں ضرب المثل کے طور پر لیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم سے بدل دیا جس کا طرۂ امتیاز دین، علم، خوشحالی، اور دعوت الی اللہ میں جانی مالی قربانی بن گیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ

آخر کار یہ آفتاب علم و ہدایت جنوری ۱۹۶۵ء مطابق ۱۳۸۹ھ کے ماہ رمضان المبارک کے دوسرے عشرے ختم کر کے اکیسویں شب مبارک میں ہمیشہ کے لئے اللہ کی رحمت میں داخل ہو گیا جہاں ہر نیک بندہ اپنے محبوب حقیقی سے ملنے چلا جاتا ہے اور اس کا ان مبارک کلمات سے پرجوش استقبال ہوتا ہے۔

"يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي"

مولانا کی وفات سے اہل خاندان و اہل شہر ہی نہیں پورا علاقہ غم میں ڈوب گیا اور ہر ایک نے اس غم کا اظہار مختلف الفاظ میں کیا مگر مولانا کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ کوئی بات خلاف شرع نہیں کی گئی۔

دعائے مغفرت

تعمیر حیات کے کارکن نیاز احمد اعظمی کے حقیقی چچا جناب اقبال احمد صاحب کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے اپنے آبائی وطن مخدوم پور اعظم گڑھ میں ۳۰ مارچ ۱۹۹۹ء کو انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم صاحب خیر خلیق و ملنسار اور نیک طینت انسان تھے۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔

خداوند کریم مرحوم کے درجات بلند فرما کر جنت الفردوس نصیب فرمائے۔ اور متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔ قارئین کرام سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

امت اسلامیہ کی خصوصیت و ذمہ داریاں

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(قسط نمبر ۴)

امت کی اہم خصوصیت توسط و اعتدال

اس امت کی تین اہم خصوصیات بتائی گئی ہیں، ان میں سے دو خصوصیات اس کا کمال اور اس کی برتری ہے اور تیسری خصوصیت اس کا اعتدال و توسط ہے، جیسا کہ اوپر کے بیان میں گزر چکا، اس امت کا توسط و اعتدال اس کے طریقۂ کار اور خصوصیات میں ہر جگہ پوری طرح نمایاں رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے لے کر اس امت کی تاریخ کے مختلف ادوار میں جن شخصیتوں نے اپنے اہم کردار کا ثبوت دیا ان سب میں توسط و اعتدال کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں، ان میں نہ تو افراط رہا کہ بالکل رہبانیت اختیار کر لیں اور نہ تفریط رہی کہ دین و دنیا کے مباح و ضروری امور کو نظر انداز کر دیں بلکہ عبادت اور زندگی کے دیگر معاملات میں کامل اعتدال۔

اس امت میں جو شخصیتیں مختلف زمانوں میں ابھریں اور بلند مقام کی مستحق ہوئیں ان میں ذوق عبادت اور تقویٰ اپنے پورے معیار کے مطابق پایا گیا ہے، لیکن اس طرح تھا کہ زندگی کے جائز تقاضوں سے ان کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا تھا، اور عزیمت و مجاہدہ کی صف کسی میں ظاہر ہوتی تو صرف ایک پہلو میں نہیں بلکہ مختلف پہلوؤں میں ظاہر ہوتی کہ ایک طرف عبادت میں کمال ہے تو دوسری طرف لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں الفت و محبت و ہمدردی اور تیسری طرف حسب ضرورت عمل و جہاد میں بھی شرکت۔

ان معیاری انسانوں کے متعلق صحیح کہا گیا کہ "رھبانًا باللیل وفرسانًا بالنھار" کہ رات میں دیکھو تو تارک الدنیا انسانوں کی طرح عبادت کرتے ہوئے نظر آئیں گے، اور دن میں دیکھو تو میدان زندگی کے شہ سوار اور فریضہ جہاد میں مشغول، معاصی سے سخت پرہیز کرنے والے اور اعتدال سے کام لینے والے ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتدال و توسط کی ترغیب دیتے ہوئے خود اپنی مثال دی، فرمایا کہ میں رات کو عبادت میں جاگتا بھی ہوں، اور آرام کے لئے سوتا بھی ہوں، روزے رکھتے ہوئے بھی دن گزارتا ہوں اور بغیر روزہ کے بھی دن گزارتا ہوں اور ازدواجی زندگی بھی اختیار کئے ہوئے ہوں، پھر بھی تم سب سے زیادہ اللہ کا عبادت گزار بندہ ہوں، اور آپ نے تلقین فرمائی کہ "خیر الامور اوسطھا" بہتر باتیں وہ ہیں جو درمیانی ہیں، یعنی وہ باتیں جن میں نہ غلو سے کام لیا گیا ہو نہ کوتاہی سے کام لیا گیا ہو، اور وسطیت کے جو معنی بتائے گئے ہیں ان میں یہ خاص پہلو ہے کہ ضرورت و اہمیت کے لحاظ سے اور اسی کی مقدار کے مطابق عمل ہو، یہی وسطیت اور درمیانی طریقہ عمل ہے۔

مکہ اور مدینہ میں قیام کے دوران الگ الگ طریقۂ کار تھا

انہی معنوں میں یہ بھی شمار کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مکی زندگی میں صرف صبر و برداشت اور قربانیوں سے کام لیا گیا اور حق کے حاملین نے صرف برداشت کیا، مقابلہ نہیں کیا اور یہ سلسلہ تیرہ سال تک رہا، وہاں نرمی کے ساتھ دعوت اور تربیت اخلاق کے طریقہ پر رہی گئی، اور مدینہ میں دس سال کی زندگی کو ان حضرات نے نظم و انتظام اور دشمن سے نبرد آزمائی اور دعوت کو دور تک پھیلانے کی کوشش میں گزارا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے انہی طریقوں پر عمل کرایا اس طرح مکی زندگی میں ہر طرح کی برداشت اور صبر و ہمت کی مشق ہو گئی اور حالات اور مقامی تقاضوں کے مطابق حکمت عملی پر بھی عمل کیا گیا، اور مدینہ کی زندگی دشمن کے مکر و فریب اور دھمکیوں کا منہ توڑ جواب دینے اور حسب ضرورت بہادری دکھانے میں صرف ہوئی، اس طرح مسلمانوں کے طبقۂ اول نے جو طرز اپنایا وہ تمام طبقات کے لئے نمونہ ہے، اسی جامعیت اور وقت اور جگہ کے تقاضے کے مطابق صبر و برداشت اور جرأت و ہمت دونوں طرح کے طرز پر عمل کرتے ہوئے زندگی گزاری کہ نہ اس میں افراط تھا نہ تفریط بلکہ توازن اور توسط تھا، اسی کے ساتھ عملی اخلاق اور انفرادی زندگی میں احتیاط، تقویٰ و عمل صالح کی تلقین، معاشرہ کے اندر آپس کی خیر خواہی، کمزوروں کی مدد، بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت، مصیبت زدگان کی مدد، مریضوں کی عیادت اور ہمدردی، ایک دوسرے کے ساتھ انکساری، آپس میں محبت، اخلاص و مروت، دشمنوں کے ساتھ جرأت، حق کے

خلاف کام کرنے والوں سے سختی، حق کی حمایت میں عزم و ہمت، انسانوں کی ہمدردی میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح جیسی صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ حضرات میں ملتی ہیں، آپ نے انھیں باتوں کی اپنی امت کو تلقین فرمائی اور ان پر اپنے ساتھیوں کو عمل کرنے کی عادت ڈلوائی اور اس طرح ان اوصاف کو اپنے بعد آنے والے افراد امت کے لئے دین و اخلاق کا اسوہ و نمونہ بنا دیا، جو بعد میں آنے والے منتخب مسلمان دینی رہنماؤں میں عموماً پائے جاتے رہے اور ان کا یہ طرۂ امتیاز رہا، اور یہی کردار قوموں کی رہنمائی اور ان کی نگرانی کے کام میں ان کا طرز عمل رہا۔

امت اسلامیہ کی عظیم ذمہ داری

قوموں کی اصلاح کی فکر اور دین حق کی طرف ان کو مائل کرنے کی کوشش اس امت کا فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا، "وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ"[1] یعنی حق سے انکار کرنے والے ایک دوسرے کے متعاون اور دوست ہیں، تم نے اگر اپنا کام نہیں کیا تو زمین پر بہکانے کا اور برائی کے لئے پھیلانے کا ایک سلسلہ ہوگا، اور بڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا، اس لئے ساری دنیا کی اصلاح اور درستگی کی کوشش ان مسلمانوں کی ذمہ داری بنا دی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس عمل کے سلسلہ میں دنیا کے مختلف حصوں سے انکار رابطہ قائم ہو جانے کے بعد وہ دین و اخلاق کے تعلق سے ساری دنیا کے عمل اور ردعمل سے واقف ہوں اور اسی بنا پر وہ ان کے بارے میں قیامت کے روز صحیح گواہی دینے والے ثابت ہوں گے ان کی یہ امتیازی شان جو اللہ کی طرف سے ان کو دی گئی ہے، اور اس کو وسطیت سے تعبیر کیا گیا ہے، ان کے لئے محض تمغۂ امتیاز نہیں بلکہ یہ ایک عظیم ذمہ داری ہے، ان کی یہ عظیم ذمہ داری جس میں تمام انسانوں کی خیر خواہی اور ان کے متعلق عند اللہ گواہی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔

ایمان و عمل صالح کا اعلیٰ کردار

اس کام کے لئے خود اس امت کو اپنا کردار اور عمل اسی معیار کا بنانا ضروری رہا جو اس بلند مقام کے لائق قرار پا سکے، اس لئے جہاں یہ ذکر ہے کہ تم اچھی باتوں کی ہدایت کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو وہاں یہ ذکر بھی آیا، "وتؤمنون باللہ" کہ تم حق کو دل سے ملتے ہوئے ایمانی زندگی اختیار کرتے ہو۔

اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں امت کا شاندار کردار

اس امت کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ اس امت میں مسلسل اور اس کے مختلف علاقوں میں ایسی ایسی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں کہ جو ایمان و عزیمت کے معیاری کردار کی حامل رہیں، اور جب جب انسانی زندگی میں دینی و اخلاقی بگاڑ پھیلا ہے اس امت سے کوئی شخصیت قد آور بن کر سامنے آ گئی، اور ایمان و عزیمت کی خصوصیت کے ساتھ انسانوں کی اخلاقی و مذہبی بلکہ انسانی و فکری رہنمائی و اصلاح کا ایسا زبردست کام انجام دیا کہ جس کی مثال صرف نبیوں کے یہاں ملتی ہے۔ وہ نبی تو نہ تھے کیونکہ نبوت آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے، لیکن انھوں نے اپنے کردار اور سیرت سے نبیوں کا نمونہ پیش کیا، ان کو خدا کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے لئے نبیوں کے طریقہ کی توفیق کی دعا کریں اور یہ دعا ان کو سورہ فاتحہ میں پڑھنا بتایا گیا ہے جو نمازوں کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے کہ اے اللہ ہم کو سیدھی راہ عطا فرما ایسی راہ جو ان لوگوں کی ہے جن پر تیرا انعام ہوا، اور ایک جگہ یہ دعا بتائی گئی "واجعلنا للمتقین اماما" کہ ہم کو پرہیزگاروں کا امام و مقتدیٰ بنا۔

چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پھر ان کے بعد متعدد تابعین، پھر تبع تابعین، جن میں نمایاں طور پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، عمر بن عبد العزیز پھر بعد کے لوگوں میں ائمۂ حدیث و ائمۂ فقہ، ائمۂ تزکیہ و تصوف، عظیم غازی و مجاہد جنھوں نے اسلام کے صحیح اصول اور مسلک کے مطابق جہاد کی مثالیں قائم کیں، خدمت علم کے میدان کے عظیم شہسوار اور اس طرح کی دوسری عظیم تاریخی شخصیتیں گذشتہ تاریخ اسلام میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔

تبلیغ دین و دعوت حق کا عالمی کام

امت کے ان کارگزاروں نے خدائے واحد کی بندگی اور اس کی بھیجی ہوئی شریعت کے پیغام کو دور دور تک پہونچایا، انسانی آبادی کا کوئی اہم علاقہ ایسا نہیں بچا جہاں ان میں سے کسی نہ کسی کے قدم نہ پہونچے ہوں، اور جہاں یہ کہنے کا موقع رہ گیا ہو کہ ہم تک کوئی پیغام نہیں آیا، اور ہمارے یہاں کوئی بتانے والا نہیں پہونچا اس امت کی یہ ذمہ داری ان پر رکھی گئی کہ اپنے کو اس پیغام خداوندی پر عمل کے مطابق ڈھالتے ہوئے دور دور تک وہ پیغام پہونچائیں اور اس پر نظر رکھیں کہ لوگوں نے کہاں تک مانا اور یہی منصب اور کام

[1] سورۂ انفال۔ ۷۳

قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر ہے کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (آل عمران: ۱۰۴) کہ تم میں ایک جماعت (امت) ایسی ضرور رہنی چاہئے جو اچھائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے منع کرے، اور یہی لوگ اصل کامیابی والے ہیں، اس آیت میں اس بات کی گنجائش رہ گئی ہے کہ امت کے معتد بہ افراد اگر اس ذمہ داری کو انجام دے رہے ہیں تو وہ فریضہ انجام پا رہا ہے اور یہ فریضہ انجام دینے والے یہی لوگ کامیاب ہیں، اور یہ نظری بات بھی ہے کہ امت کے ہر ہر فرد پر ذمہ داری نہ ہو، کیونکہ امت کے ہر فرد میں بشری وجسمانی صلاحیتوں میں کمی رہنے کی وجہ سے اس عظیم کام کی ادائیگی کا ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن ایک خاص تعداد میں ایسے لوگوں کا ہونا ضروری ہے، تاکہ ہر کام انجام پالے، ظاہر ہے کہ یہی لوگ نمایاں لوگ قرار پائیں گے، ہمیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہی سے اس کی مثالیں ملتی ہیں، افضل نے جہاں صرف محبت اور حسن اخلاق سے یہ کام انجام پاتا دیکھا وہاں اس طرح انجام دیا، اور جہاں ہمت وجرأت اور دماغ کی ضرورت پڑی وہاں اس طرح کیا، مختلف علاقوں میں ان کی جو فوج کشی ہوئی وہ برائے جنگ وبرائے قتال نہیں تھی، بلکہ اولاً ان کے رسول کی طرف سے پھر ان کی طرف سے تمام اہم علاقوں کی طرف پیام حق بھیجا گیا، جو ان کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کی شکل میں تھا ان میں آپ نے اس عہد کے اہم علاقوں کے سربراہوں کو دعوت دی کہ وہ خدا کی بندگی اور اس کے دیئے ہوئے صحیح راستہ کو اختیار کریں اور اس کی دعوت کو قبول کریں، اور قبول نہ کرنا چاہیں تو اس پیغام کو عوام تک پہونچانے میں رکاوٹ نہ ڈالیں تاکہ حق بات لوگوں تک پہونچ سکے، پھر ان کی مرضی پر منحصر ہے مانیں یا نہ مانیں کوئی زبردستی نہیں، کیونکہ اسلام میں مذہب کو زبردستی منوانا منع ہے، اگر حق بات پہونچانے سے روکا جائے تو پھر مسلمانوں کو سخت معاملہ کرنے کا حکم ہے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ان نہ ماننے والوں کے علاقوں کی طرف مجاہدوں کی جماعتیں بھیجیں کہ وہ ان کو دو باتوں میں ایک بات قبول کرنے پر آمادہ کریں۔

بقیہ: ہم الزام ان کو دیتے

یا معاشرتی تحریکیں اتنی تیز نہیں پھیلتیں، اس وقت پوری دنیا میں یہودیت، عیسائیت اور ہندومت وبدھ مت سے ربط وتعلق استوار کرنے کی مہم زوروں پر ہے اور ان ملکوں کی حکومتیں ان مذہبی تحریکوں کی امداد کرتی ہیں، اس سے ان کو ایک طبقہ کی حمایت حاصل ہوتی ہے، مذہب کی طرف واپسی کی مثالیں اور مذہب سے وابستگی کی مثالیں یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مختلف ملکوں میں نمایاں ہیں، ہندوستان میں بھی ان دنوں اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے، آج کل ملک کو زعفرانی رنگ میں رنگنے کا خواب دیکھنے والی تنظیموں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور اسی منصوبہ کے تحت حکومت نظام تعلیم وتربیت میں تبدیلی کر رہی ہے، اور حکام کے تعاون سے یہ تنظیمیں سرگرم عمل ہیں، اور کسی بھی قانونی رکاوٹ کے بغیر یہ سرگرمیاں جاری ہیں، دوسرے ملکوں میں بھی ایسی تنظیمیں کام کر رہی ہیں، اور ان کاموں کے لئے اندرون وبیرون سے مال ودولت کی ان پر بوچھار کی جا رہی ہے۔

اس کے برخلاف، اسلامی ملکوں کی حکمراں اکثریت کی خواہشات سے برسرپیکار ہیں اور ان کی تمام مساعی کو خاک میں ملا دینے ہیں اور انھیں بے اثر کرنے کے لئے کوشاں ہیں، ان کی یہ کوشش اکثریت کے طبعی تقاضوں اور خواہشات کے منافی ہے، اور اس کے لئے انھیں اپنی ساری توانائی اور وسائل مسخر کرنا پڑ رہے ہیں، وہ اپنے لوگوں سے برسرپیکار ہیں، لیکن اپنے عوام اور ملک کے حقیقی دشمنوں سے دوستی کرنے پر مجبور ہیں۔

جدید فیشن اور اعلیٰ ڈیزائن اور کندن کے زیورات کا واحد مرکز
حاجی صفی اللہ اینڈ سنس جیولرس
قائم شدہ ۱۹۴۰ء
ممتاز ڈگری کالج کے پیچھے جوتے والی گلی، امین آباد لکھنؤ
برانچ:۔ نگینہ مارکیٹ، جموکشمیر بینک کے سامنے اکبری گیٹ لکھنؤ
فون امین آباد: 213736 رہائش فون: 260177
اکبری گیٹ: 260845 " " 251514 — 265536

حیات سجاد

بانی امارت شرعیہ، مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی حیات وخدمات ومنتخب تقریریں

مبصر کے قلم سے

مرتب: مولانا انیس الرحمٰن قاسمی، ناشر: شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ پھلواری شریف، پٹنہ۔ صفحات: ۱۹۱، کاغذ: متوسط، طباعت: اعلیٰ، ٹائیٹل: خوبصورت، قیمت: مذکور نہیں، ملنے کا پتہ: ناشر مذکور۔

صوبہ بہار کے مشہور عالم وصلح اور مجاہد مولانا محمد سجاد صاحب (متوفی ۱۹۴۰ء) نہ صرف بہار کے بلکہ پورے برصغیر (موجودہ ہند وپاکستان وبنگلہ دیش) میں صف اول کے علماء میں تھے، ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے امارت شرعیہ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جو مسلسل دینی وعلمی واخلاقی خدمات انجام دے رہی ہے، اس کے موجودہ امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحب ہیں۔

مولانا سجاد صاحبؒ اس تنظیم امارت شرعیہ کے بانی بھی تھے اور نائب امیر شریعت کی حیثیت سے آخر عمر تک کام کرتے رہے۔ آپ کے محاسن وفضائل پر مختلف معاصرین کے مقالات، مولانا مسعود عالم ندوی علیہ الرحمہ نے "محاسن سجاد" کے نام سے مرتب فرمایا تھا، اس میں خود ان کا مقالہ بھی بہت جاندار اور مولانا سجادؒ کی عظمت کا نقش قائم کرنے والا تھا۔ دوسری کتاب "حیات سجاد" کے نام سے جناب مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے تحریر فرمایا تھا جو حضرت مولانا سجاد صاحبؒ کے شاگرد اور ان کے علمی کارناموں کے وارث تھے، پیش نظر کتاب انہی دونوں کتابوں کے مقالات پر مشتمل ہے۔ شروع میں موجودہ امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحب کا پیش لفظ اور فاضل مرتب کا ابتدائیہ ہے۔ بقیہ تمام مضامین ان بزرگوں کے ہیں جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے اور سبھوں کے نام کے آگے (رح) ہے۔

امارت شرعیہ کے موجودہ ذمہ داروں نے مؤسس امارت شرعیہ کی یاد میں یہ کتاب شائع کی ہے، جو قابل قدر ہے، اور اس کے پڑھنے سے اپنے اسلاف کی حوصلہ مندی، جوش کردار اور سیرت کی بلندی کا دلوں پر نقش قائم ہوگا۔ فاضل مؤلف کی خدمت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

ایک دو معمولی سی فروگذاشت بھی ہے اور انسانی کام کون سا ایسا ہے جو تسامحات وتجاوزات سے پاک ہو، ان میں پہلی بات یہ ہے کہ فٹ نوٹ پر جہاں مولانا مسعود عالم صاحب ندوی علیہ الرحمہ کے حواشی ہیں، اس میں م۔ع (مسعود عالم) کا رمز بعینہ نقل کر دیا گیا ہے، ضرورت تھی کہ پورا نام دیا جائے، کیونکہ پڑھنے والا محاسن سجاد مؤلفہ مولانا مسعود عالم ندوی نہیں پڑھ رہا ہے بلکہ حیات سجاد مؤلفہ مولانا انیس الرحمٰن قاسمی پڑھ رہا ہے اور توضیحی نوٹ مصنف کے ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ حضرت امیر شریعت ثانی مولانا شاہ محمد محی الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کے امیر ورہنما تھے، مولانا ابوالمحاسن سجاد ان کے نائب اور ان کی ہدایات وتوجیہات کے مطابق اور ان کی اجازت سے کام کرتے رہے، مگر اس مجموعہ میں حضرت امیر شریعت ثانی کے مقالہ کو آٹھویں نمبر پر رکھا گیا ہے، حق یہ تھا کہ سب سے پہلے بہت نمایاں کر کے یہ مقالہ شائع کیا جاتا۔ جس سے معلوم ہوتا کہ حضرت ابوالمحاسن علیہ الرحمہ کے امیر کی ان کے بارے میں کیا رائے تھی۔ تاریخ کے کسی حصہ کو فراموش کر کے تاریخ نہیں لکھی جاتی، افسوس کہ نہ تو امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحب نے نہ مرتب کتاب نے کہیں مولانا کے نائب ہونے کا ذکر کیا، اس میں مولانا سجاد صاحبؒ کی کوئی تنقیص نہیں ہے کہ وہ امیر شریعت اول اور امیر شریعت ثانی رحمۃ اللہ علیہما کے نائب تھے۔

اسی طرح مولانا مسعود عالم صاحب ندویؒ کے مقالہ کو سب سے آخر میں اس طرح داخل کرنا جیسے بے دلی کے ساتھ ایک ناگوار کام کیا جا رہا ہو۔ نظر میں کھٹکنے والی بات ہے، مولانا مسعود عالم صاحب ایک بین الاقوامی شخصیت کے مالک تھے، علامہ شکیب ارسلان جیسا فاضل ان کا لوہا مانتا تھا، مصر کے مجلات میں ان کے مقالات شائع ہوتے تھے، "الضیاء" کے ایڈیٹر تھے، اور مولانا سجاد صاحبؒ کے بارے میں ان کا اعتراف بہت وزن رکھتا ہے، اس کو بھی مختصر سوانح اور مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کے مقالہ حیات سجادؒ کے بعد ہونا چاہئے تھا۔

بہر حال امارت شرعیہ کے ذمہ دار حضرات کے حسن نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ مگر غلطی بہر حال غلطی ہے، امید ہے کہ الاعتراف بالنقص فضیلۃ کا اصول ان کے پیش نظر ہوگا۔

بقیہ۔ مطالعہ کی مایوسی

سہولت پسندی کے عادی ہو گئے ہیں، یہ کتاب طلبہ کی ذہنی وعلمی سطح کے لحاظ سے موزوں اور مناسب معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب اس کی بارگاہ میں قبولیت حاصل کرے۔ اور اس کی افادیت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

مطالعہ کی میز پر

تبصرے کیلئے کتابوں کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے!

● مولانا عتیق احمد بستوی

نام کتاب : الموجز فی اصول الفقہ (ہندی زبان میں)
تالیف : مولانا عبید اللہ الاسعدی
صفحات: ۳۵۰ قیمت :- ۲۵۰/ روپئے
ملنے کا پتہ : ندوی بکڈپو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلامی علوم وفنون میں علم اصول الفقہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہ علم مصادر شریعت سے احکام ومسائل کے استنباط کا آلہ اور مجتہدین وفقہا کے لئے بہترین سرمایہ ہے اس علم سے ایک طرف جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فقہا ومجتہدین نے کن اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر اپنے اپنے زمانہ کے نت نئے مسائل کا شرعی حل پیش کیا ہے تو دوسری طرف اس علم کے ذریعہ ہمیں رہنمائی ملتی ہے کہ دور حاضر کے تہ بہ تہ مسائل اور مختلف میدانوں کی مشکلات کا شرعی حل کس طرح فراہم کیا جا سکتا ہے۔

علم اصول فقہ ہر دور میں عالم اسلام کی بہترین علمی وفکری صلاحیتوں کا میدان رہا ہے۔ ہر دور کے بلند حوصلہ، دقیق النظر اور عمیق علم رکھنے والے فقہا نے علم اصول فقہ کی آبیاری اور اس کی تشکیل وتدوین میں بھرپور حصہ لیا یہ ایسا علم ہے جس پر مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے، دنیا کی کسی قوم کے پاس اصول قانون کے موضوع پر اتنا بلند پایہ عمیق ووسیع لٹریچر موجود نہیں ہے۔ جتنا بڑا لٹریچر اصول فقہ کی صورت میں مسلمانوں کے پاس ہے، عصر حاضر میں دنیا کے چوٹی کے ماہرین قانون اصول فقہ کی عظمت، اہمیت اور افادیت کا اعتراف کرنے لگے ہیں اور جدید اصول قانون کی تدوین میں اصول فقہ اسلامی کے فکری وفنی لٹریچر سے مدد لی جانے لگی ہے۔ یورپ وامریکا میں قانون کے جو مختلف مکاتب فکر پروان چڑھے ہیں ان کا سرسری مطالعہ کرنے سے ان پر اسلامی فقہ واصول فقہ کے اثرات محسوس کئے جا سکتے ہیں

علم اصول فقہ علماء ہند کا بھی خصوصی موضوع رہا ہے علم اصول فقہ پر ہندوستان کے بلند پایہ علماء نے ہر دور میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن کی قدر وقیمت کا اعتراف عالم اسلام کے اہل علم نے کیا ہے، بطور مثال ملا محب اللہ بہاری کی مسلم الثبوت اور اس پر علامہ بحر العلوم کی فواتح الرحموت کا نام لیا جا سکتا ہے۔ مؤرخ ہند حضرت مولانا عبد الحی حسنیؒ نے "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" میں اصول فقہ کے موضوع پر ہندوستانی علماء کی تصنیفات کا اچھا احاطہ کیا ہے۔

الحمد للہ دوسرے اسلامی علوم کی طرح علم اصول فقہ پر اب بھی ہندوستان کے علماء تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور اس دقیق قانونی علم کو آسان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی برادر گرامی قدر مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی کی کتاب "الموجز فی اصول الفقہ" بھی ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں ہے اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے، کتاب کے اس دوسرے ایڈیشن میں معجم اصول الفقہ کے نام سے اصول فقہ پر ایک جامع انڈکس (INDEX) بھی شامل ہے اس کتاب کے مصنف مولانا مفتی محمد عبید اللہ الاسعدی دارالعلوم ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ ہیں ایک مدت سے جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ (جس کو اس ادارہ کے عظیم بانی حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے ہند گیر شہرت حاصل ہے) میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ مختلف اسلامی موضوعات پر ان کے قلم سے بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اس لئے وہ علمی ودینی حلقوں کے لئے محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اس کتاب کے دونوں ایڈیشن قاہرہ کے دارالسلام للطباعۃ والنشر والتوزیع سے شائع ہوئے ہیں۔ کتاب کی اہمیت اور قدر وقیمت اجاگر کرنے کے لئے اتنا لکھ دینا کافی ہے۔ کہ اس کتاب پر عالم اسلام کے مشہور محدث ومحقق شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی تقریظیں ہیں۔ ان دونوں حضرات نے اس کتاب کو سراہا ہے۔ اور اس کتاب کی قدر وقیمت کا اعتراف کیا ہے اسی طرح دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے بھی کتاب پر مقدمہ لکھا ہے۔

اس کتاب کے کل ۳۵۲ صفحات ہیں مصنف نے کوشش کی ہے کہ اصول فقہ کے تمام مباحث کو اس کتاب میں سمیٹ لیں، اسلوب آسان سے آسان رکھا گیا ہے، تاکہ طلباء اور عام مطالعہ کرنے والوں کو اصول فقہ کے مسائل سمجھنے میں آسانی ہو اور طلباء کی ذہنی صلاحیتیں الفاظ کی گرہیں کھولنے میں زیادہ صرف نہ ہوں، مختلف چارٹوں کے ذریعہ مسائل کی تفہیم میں مدد لی گئی ہے۔ اور حتی الامکان حوالوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اپنی عمومی افادیت کے ساتھ مدارس دینیہ کی ایک نصابی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہے، دور حاضر میں جبکہ طلباء مشکل کتابوں سے گھبراتے ہیں اور

(باقی، صـ۲۷ پر)

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

سوال وجواب

س:- لوگ مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرتے ہیں جس سے دوسرے لوگوں کو خلل ہوتا ہے کیا مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا صحیح ہے؟

ج:- اتنی بلند آواز سے تلاوت کرنا صحیح نہیں ہے جس سے کسی کی نماز میں خلل پڑے۔

س:- اگر ہاتھ سے قرآن مجید گر جائے تو لوگ اس کے وزن کے برابر گندم کو خیرات کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ ہم کو ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ ایسا کرنا غلط ہے، آپ بتائیے کہ صحیح بات کیا ہے؟

ج:- مولوی صاحب کی بات صحیح ہے قرآن مجید گر جانے سے اس کے برابر گیہوں صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ البتہ اس کوتاہی پر نادم ہونا چاہیئے۔ اور توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔ صدقہ خیرات کر دے تو کوئی مضائقہ نہیں، ثواب ملے گا۔

س:- کتابوں میں بار بار "صدقہ" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

ج:- اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے جو مال اللہ کے راستہ میں غریبوں اور مسکینوں کو دیا جاتا ہے۔ اور کسی بھی خیر کے کام میں خرچ کیا جاتا ہے اس کو صدقہ کہتے ہیں صدقہ تین طرح کا ہوتا ہے، (۱) فرض جیسے زکوٰۃ (۲) واجب، جیسے نذر، صدقہ فطر اور قربانی (۳) نفلی صدقات، جیسے عام خیرات وغیرہ۔

س:- جنازہ کو کندھا دینے میں عموماً لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں۔ اور صحیح بات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے، اچھے اچھے پڑھے لکھے لوگوں کو میں نے دیکھا کہ من مانے طریقہ سے جنازہ کو کندھا دیتے ہیں، جنازہ کو کندھا دینے کا صحیح طریقہ آخر کیا ہے؟

ج:- جنازہ کو کندھا دینے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دس قدم تک دائیں جانب کے اگلے پائے کو کندھا دے پھر دس قدم تک اسی جانب کے پچھلے پائے کو، پھر دس قدم تک بائیں جانب کے اگلے پائے کو پھر دس قدم تک بائیں جانب کے پچھلے پائے کو کندھا دے۔

س:- ہمارے محلہ کی ایک خاتون نے مجبوری کی وجہ سے ایک نامحرم کو محرم دکھا کر حج کا سفر کیا وہ کہتی ہیں کہ مجبوری تھی کیا کرتے؟ کیا اس طرح حج کرنا صحیح ہے؟

ج:- محرم کے بغیر حج کا سفر جائز نہیں ہے۔ اور نامحرم کو محرم دکھا کر حج کا سفر کرنا دوہرا گناہ ہے، اپنے کئے پر نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔

س:- تحیۃ الوضو کس نماز کے وقت پڑھنا ہے نماز کی کتاب میں ہے کہ جس وقت نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اس وقت نہیں پڑھنا چاہیئے۔ تو پھر کس وقت تحیۃ الوضو پڑھنا چاہیئے اور کس وقت نہیں پڑھنا چاہیئے؟

ج:- پانچ اوقات میں نفل پڑھنے کی اجازت نہیں فجر سے پہلے اور بعد عصر کے بعد سورج کے طلوع وغروب کے وقت اور نصف النہار کے وقت۔ ان اوقات کے علاوہ جب بھی آپ وضو کریں تحیۃ الوضو پڑھ سکتے ہیں۔

س:- سجدۂ تلاوت کا طریقہ کیا ہے؟ آپ تفصیل سے بتائیے؟

ج:- سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے "اللہ اکبر" کہہ کر سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ میں تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے پھر اللہ اکبر کہہ کر اٹھ جائے، بس یہی سجدۂ تلاوت کا طریقہ ہے۔ کھڑے ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں جانا افضل ہے۔ اور اگر بیٹھے بیٹھے کرے تو بھی جائز ہے

اعلان

ندوۃ العلماء میں اردو اور عربی سے انگریزی میں ترجمہ کرنے والے حضرات کے تعاون کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے مناسب اکرامیہ بھی دیا جائے گا۔

اس کار خیر میں جو حضرات مدد کر سکیں وہ براہ مہربانی مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ قائم کریں۔ تاکہ ان سے یہ تعاون لیا جا سکے۔

ایڈیٹر تعمیر حیات
ندوۃ العلماء لکھنؤ

مختصر

عالمی خبریں

معید اشرف ندوی

● ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ کے خطبۂ حج میں امام حرم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ نے امت مسلمہ کو درپیش مشکلات کا سب سے بڑا سبب بدعنوانی اور غلط طریقے مال کے حصول کو قرار دیا ہے اور عالم اسلام کے ذرائع ابلاغ سے کہا ہے کہ وہ دین کی تشریح اور تعلیم کو عام کرنے کا فرض ادا کریں اور اگر وہ قرآن وسنت پر مبنی نظام اقدار کے تحفظ کے لئے اپنا کردار ادا نہیں کرتے تو یہ ایک مجرمانہ غفلت ہوگی امام حرم نے اپنے خطبہ میں امت مسلمہ پر زور دیا کہ وہ فرقہ پرستی اور انتشار کو چھوڑ کر اتحاد واتفاق کی راہ ہموار کریں اور دین میں تشدد سے بچتے رہیں فروعی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو کافر قرار دینے سے اپنی ہی تباہی کا عمل ثابت ہوگا انھوں نے کوسوو، فلسطین اور دوسرے تمام علاقوں میں مسلمانوں کی جدوجہد کی کامیابی، عالم اسلام کی سربلندی اور امت مسلمہ کی ترقی کے لئے دعا کی اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمن جو سازشیں کررہے ہیں اس سے ہم ہوشیار رہیں اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد اور تنظیم باہمی طور پر مسلسل رابطہ میں رہیں اور ایک دوسرے کے مسائل کو سمجھتے رہیں یہ ہماری سب سے بڑی کامیابی ہوگی۔

● کوسوو مشرقی یورپ کا وہ علاقہ ہے جو البانیہ کے شمال میں واقع ہے یہ خطہ عظیم مسلمان فاتح سلطان محمد ثانی کے عہد ۱۴۵۱-۸۱ء میں مسلمانوں کے زیر اثر آیا اور اس وقت سے اب تک یورپ میں واقع اس خطہ کے مسلمان تمام تر جبر واستبداد کے امتیازی سلوک اور مسلم دشمن رویہ کے باوجود اسلام اور اسلامی تشخص پر قائم ہیں، کوسوو کے مظلوم مسلمانوں کا اسلامی تشخص ہی وہ جرم ہے جس کی پاداش میں عیسائی سرب درندے یورپ میں واقع اس تاریخی خطے سے مٹانے میں مصروف ہیں اگرچہ کوسوو سربیشن فرنٹ اور یوگوسلاویہ کے درمیان امن منصوبے پر دستخط ہوگئے تھے جس میں صرف جزوی داخلی خودمختاری کی بات شامل ہے جب کہ اس خطہ کے مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہر اعتبار سے مکمل آزادی کی مستحق ہے مگر یوگوسلاویہ اس خطہ کا مکمل انضمام چاہتا ہے حالانکہ سوویت یونین کی تحلیل کے بعد اس کے حصے بخرے ہوگئے ہیں اور کئی چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستیں معرض وجود میں آگئی ہیں اور یورپ میں مغربی ذہن کو شاید یہی گوارا نہیں کہ ان کے براعظم میں کوئی مسلمان ریاست وجود میں آئے لیکن جس طرح سے سرب درندوں کے ہاتھوں ہزاروں جوان بوڑھے اور معصوم بچے شہید ہوچکے ہیں اور کوسووکی بوڑھی خواتین معصوم بچے برف باری اور سخت سردی کے باوجود اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے ہیں انشاء اللہ تاریخ اپنے آپ کو جلد دہرائے گی اور وہ فاتح بن کر اپنے گھر جائیں گے۔

نلگنڈا (آندھراپردیش) میں
تعمیر حیات
حاصل کریں
جناب ابن غوری صاحب (ایم۔اے)
رحمن باغ۔ نلگنڈا۔ A.P. 508001

قنوج کے قدیم مشہور ومعروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ عطریات "شمامۃ العنبر، عطرگلاب، روح خس، عطرموتیا، عطرحنا، عطرگل، عطرکیوڑہ اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں۔
فون: ۳۴۴۴۵
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر۔ قنوج۔ یوپی ——— آئیڈیل پرفیوم سینٹر (پرائیوٹ لمیٹڈ) قنوج

مسلمانوں کی فلاح وکامیابی کا دستور العمل

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مسلمانوں کی فلاح وکامیابی کا انحصار چار چیزوں پر موقوف ہے جن کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ترجمہ وتشریح: اے ایمان والو تکلیف پر خود صبر کرو۔ اور جب کفار سے مقابلہ ہو تو مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے احتمال کے وقت مقابلہ کے لیے مستعد رہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور حدود شرع سے نکلو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔ (آل عمران)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔

۱۔ ایک تو وہ جن کا وقت آگیا (۲) دوسری وہ جن کا وقت نہیں آیا۔

سو یہاں ایک حکم پہلی قسم کے متعلق ہے اور ایک حکم دوسری قسم کے متعلق ہے۔

پہلی قسم کے متعلق تو اصبِرُوا ہے یعنی جس عمل کا وقت آجائے اس وقت صبر سے کام لو۔ یعنی پابندی اور استقلال سے رہو۔ حق تعالیٰ نے اس میں اعمال حاضرہ میں مستقل رہنے کا حکم فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دینداری کے یہی معنیٰ ہیں کہ ہر کام کو پابندی اور استقلال سے کیا جائے۔

آج کل لوگ ولولے اور جوش میں بہت سا کام شروع کردیتے ہیں پھر نباہ نہیں ہوتا۔ تو یہ دینداری کامل نہیں ہے۔ اسی لئے خدا تعالیٰ نے اتنا ہی کام بتلایا جس پر نباہ ہوسکے۔ واجبات فرائض وسنن مؤکدہ پر نباہ دشوار نہیں ہے اس سے زیادہ کام کرنے میں البتہ بعض لوگوں سے نباہ نہیں ہوتا تو ان کو اپنے ذمہ اتنا ہی کام بڑھانا چاہیئے جس پر نباہ اور دوام (پابندی) ہوسکے۔ تو اصبروا" کا حکم ان اعمال کے متعلق ہے جن کا وقت آگیا ہے۔

پھر ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق صرف اپنی ذات سے ہے دوسرے وہ جن کا تعلق دوسروں سے بھی ہے ان کے متعلق "صابروا" فرمایا ہے کہ دوسروں کے ساتھ صبر واستقلال سے کام لو۔ بعض لوگ اپنے ذاتی کام تو کرلیتے ہیں۔ مثلاً نماز وغیرہ مگر دوسروں کے متعلق ہاہت نہیں ہوتے۔ اور کچھ لوگ ہمت بھی کرتے ہیں۔ تو وہ اسی وقت تک رہتی ہے جب تک کوئی دوسرا مقابل نہ ہو اور اگر کوئی مقابل ہوا تو پھر مستقل نہیں رہتے۔ اس کے متعلق صابروا میں یہ حکم ہے کہ دوسروں کے مقابل میں بھی ثابت قدم رہو۔

اسی طرح اگر کبھی اعداء اللہ (اللہ کے دشمن) دین میں مزاحمت کرنے لگیں تو ان کے مقابلہ میں بھی مستقل رہنے کا صابروا میں حکم ہے۔

غرض ایک تو وہ افعال ہیں جن میں کسی سے مقابلہ نہیں کرنا پڑتا۔ ان پر استقلال کے ساتھ پابندی کرنے کا حکم تو اصبروا میں ہے۔ اور جن میں دوسروں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے ان میں ثابت قدم رہنے کا حکم صابروا میں ہے۔ یہ تو وہ افعال تھے جن کا وقت آگیا ہے۔

اور ایک وہ افعال ہیں جن کا ابھی وقت نہیں آیا ان کے متعلق حکم رابطوا میں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کاموں کے لئے تیار ومستعد رہنا چاہئے۔ (کیونکہ) لغت میں "رباط" کے معنیٰ دشمن کے مقابلہ میں سرحد پر گھوڑے باندھنا ہے یعنی مورچہ بندی، اور ظاہر ہے کہ مورچہ بندی حفظ ماتقدم (یعنی پیشگی حفاظت) کے لئے اور پہلے سے مقابلہ کو تیار ومستعد رہنے کے لئے کی جاتی ہے۔ عام لغت کے موافق ایک تفسیر تو رباط کی یہ ہے۔

دوسری ایک تفسیر حدیث میں آئی ہے۔ انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ یعنی ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے لئے منتظر رہنا۔ حضور نے اس کے متعلق بھی فرمایا فذلکم الرباط فذلکم الرباط۔ یہی رباط ہے۔

اس تفسیر اور پہلی تفسیر میں کچھ منافات نہیں بلکہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ "رباط" (یعنی پیشگی حفاظت) ظاہری دشمن کے ساتھ خاص نہیں بلکہ جیسے ظاہری دشمن کے مقابلہ میں رباط (حفاظت) کا بندوبست ہوتا ہے ایسی طرح کبھی باطنی دشمن یعنی نفس وشیطان کے مقابلہ میں بھی رباط ہوتا ہے۔

وہ ظاہری مجاہدہ کا رباط ہے۔ اور یہ مجاہدہ باطنی کا "رباط" ہے اسی کو ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ المجاھد من جاھد نفسہ والمھاجر من ھجر الخطایا والذنوب یعنی مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں مجاہدہ کرے۔

بس دین کا خلاصہ یہ ہے کہ جن کاموں کا وقت آگیا ہے ان کو استقلال یا پابندی سے ادا کیا جائے اور جن کا وقت نہیں آیا ان کے لئے تیار رہے کسی وقت بے فکر ہو کر نہ بیٹھے۔ اب ایک قسم رہ گئی یعنی اعمال باطنہ اس کے متعلق فرماتے ہیں واتقوا اللہ خدا سے ڈرتے رہو یہ تمام اعمال کی جڑ ہے۔

اس بیان سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ لوگ اس وقت کامیابی کی طلب میں کدھر الٹے جارہے ہیں۔ اور فلاح وکامیابی کا جو اصلی طریقہ ہے اس پر توجہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ دین ہی فلاح کا طریقہ ہے اور اگر دین نہیں تو خدا کی قسم ساری دنیا کی بھی سلطنت حاصل ہوجائے تو بھی فلاح حاصل نہ ہوگی